ناولٹ

ساحل ساحل زنجیر ہوئے

فرحانہ ناز ملک

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM



ناولٹ

ساحل ساحل زنجیر ہوئے

فرحانہ ناز ملک

بپھری ہوئی بارش طوفان کا روپ دھارتی جا رہی تھی۔ رات کے اس پہر کہ جب گھٹا ٹوپ گھور اندھیرے کو محض آسمانی بجلی کی خیرہ کر دینے والی چمک کی وجہ سے منہ کی کھانی پڑ رہی تھی...... وہ گاڑی...... ایک ہیولے کے مانند...... بارش کی تُندی کا ساتھ دیتی برق رفتاری سے سرمئی گیٹ سے برآمد ہوئی تھی۔

وہ سختی سے ہونٹ بھینچے...... سامنے نظریں جمائے صرف اس طوفانی صورتِ حال سے ہی نہیں

www.paksociety.com
SCANNED BY FAMOUSURDUNOVELS

WWW.PAKSOCIETY.COM

بلکہ اپنے آپ سے بھی خفا گاڑی چلائے چلا جا رہا تھا۔
آبادی کو پیچھے چھوڑ آنے کے بعد جب بارش بھی برستے، برستے ہانپ چکی، اس نے ایک طرف گاڑی کو بریکس لگائے تھے۔ ایسے میں...... بے نیازی و خفگی کے سارے احساس پل بھر میں ہوا ہوئے...... وہ اپنے برابر کی سیٹ پر بیٹھی اس کی موجودگی سے یک دم باخبر کیا ہوا گویا بے اختیار و بے بس ہوا اسے ایک ٹک دیکھے گیا۔ وہ جو کسی معصوم بچے کی طرح سسک رہی تھی...... سیاہ چادر میں لپٹا اس کا کپکپاتا سراپا کسی خوف کا آئینہ دار تھا۔ اس کے گال انگلیوں کے نشانات سے سرخ ہو رہے تھے۔ گویا انگلیاں گڑ سی گئی ہوں...... ہونٹوں کے کناروں سے رِستے ہوئے خون نے اس کی توجہ کے ارتکاز کو جھنجوڑا تھا۔ اس کا فشارِ خون ایک دم سے بڑھا...... جو جنون سا حاوی تھا...... وہ احتساب کی شکل اختیار کر گیا۔
کیا وہ خود تھا ذمے دار......؟ ہاں وہ ہی تھا اس کی اس حالت کا ذمے دار...... وہ جو...... اس سے اس کے ایک، ایک نقش سے اس شدت کے ساتھ ابھی ابھی متعارف ہو رہا تھا۔ احساسِ جرم کا شکار ہونے لگا۔
اسی احساس نے اس حد تک اسے مغلوب کیا کہ اس نے بے ساختہ، قطعی غیر ارادی طور پر اس کانپتے وجود کو اپنے حصار میں لے لیا۔
وہ اچنبھے کا شکار نہ ہوئی۔ درحقیقت وہ اس وقت ہمدردی کی نہیں، ایک لفظ معذرت یا پھر صرف اور صرف محبت کی مستحق تھی اور اس کے گرد حصار باندھے اس شخص نے بھی شاید محسوس کر لیا تھا۔
بے حد نرمی و توجہ کے ساتھ وہ اس کے ہونٹ کے کنارے سے رِستا خون پونچھنے لگا تھا۔ وہ اپنی بڑی، بڑی آنکھوں میں جھیلیں سموئے اسے یہ سب کرتا دیکھتی رہی۔ کچھ بھی محسوس کرنے کی حس... فی الحال خاموش تھی۔

"سوری۔" یہ کہہ کر اس کا سر اپنے کندھے سے لگا کر ایک بازو کا اس کے گرد حلقہ بنائے، دوسرے سے اسٹیئرنگ تھامے اب گاڑی آگے بڑھا رہا تھا۔

☆☆☆

سفید بے داغ، خوب صورت کڑھائی سے سجا کُرتہ شلوار، پالش شدہ چمک دار قیمتی کھیڑی، سلیقے سے جمے بال، مہینوں کی بڑھی شیو سے پاک دُھلا دھلایا صاف چہرہ اور غلیظ چیکٹ ناخنوں کے بجائے ترشے ہوئے صاف ستھرے ناخن...... عام دنوں میں بھی وہ جب جس گلی میں داخل ہوتا۔ سب کو گویا تفریح میسر آجاتی۔ آج تو پھر بات ہی الگ تھی۔
"اوئے للو......" ایک بچہ پکارتا اور ساری بلیٹن آناً فاناً جمع ہو جاتی۔
"للو...... تو تو دولھا بن آیا۔" آن کی آن میں اس کے گرد میلا لگ گیا تھا۔ وہ جو پہلے جھینپ رہا تھا۔ اس بات پر خفگی و اشتعال سے بیر پیچ کر چلایا۔
"کھبل دال (خبردار) مجھے تھی نے تند تیا تو!" (مجھے کسی نے تنگ کیا تو) وہ بولتے ہوئے تتلاہٹ کا شکار رہتا تھا۔ اس کی "کھبل دال" پر ہی پھلجڑیاں پھوٹ پڑیں۔
"کیوں...... تو آج دولھا بن آیا ہے اس لیے؟" یہ سن کر للو کے نتھنے مزید پھول گئے۔ مہینوں بعد نہانے دھونے کا نتیجہ یہی نکلتا تھا کہ پہلے تو وہ گھر سے نکلنے پر ہی آمادہ نہ ہوتا، اماں کے بے طرح سمجھانے، پچکارنے پر باہر قدم رکھ بھی لیتا تو پھر یہ منظر استقبال کرتا۔ جو اس کے لیے جھنجلاہٹ، غصے اور آخر میں انتقام تک جا پہنچتا۔ بچے تو بچے محلے کے بڑے بھی کم نہیں تھے۔ بچے نعرے لگا لگا کر تو بڑے باتیں کرنے کے بہانے پاس بٹھا کر گپیں لگا کر بیچ، بیچ میں شروع ہو جاتے۔
"للو تو دلہن کہاں سے لائے گا؟" وہ موڈ میں ہوتا تو شرما، لجا کر ایسے، ایسے جواب دیتا کہ سننے والوں کو اپنی بونگیوں کا گویا انعام مل جاتا۔ باتوں، باتوں میں للو سے کئی کام بھی نکلوا لیے جاتے۔ کوئی گھر بھگاتا کہ چاچی یاد کر رہی ہے، وہ بخوشی چاچی سے ملنے جاتا۔ اُدھر چاچی پہلے سے منتظر ملتی دو چار گلے شکوے، پیار بھرے مسکے لگانے کے بعد بالآخر وہ اپنے کام کے لیے دوڑا دیتی۔ ایسے ہی باقی سب بھی رویہ رکھتے۔ اس کی جیب ہمیشہ بھری، بھری رہتی۔ عموماً اس کی عقل ناکارہ رہتی لیکن جہاں بات پیسوں کی آجاتی وہاں ٹھیک ٹھاک سُدھ بدھ والا بن جاتا۔ سو ایسے تو اس سے پیسے اینٹھنے میں مسئلہ ہوتا ویسے نکلوا لیے جاتے۔
"یار للو، آج سگریٹ کے کش تو لگوا۔"
"للو تیرا باپ زمین کا کیس جیتا ہے...... چرغہ بنتا ہے ناں۔" یا پھر "یار للو میٹھی بوتل پینے کو جی چاہ رہا ہے۔" اور للو خوشی خوشی مان جاتا۔
سب جانتے تھے وہ بھولا ہے پر پاگل نہیں لیکن پھر بھی دماغ کا ہلکا ہے۔ سو ایسے ہی اسے دولھا بنانے، اس کی دلہن لانے کی باتوں کو اس کی چھیڑ بنا لیا گیا۔ وہ پہلے شرماتا، بغلیں جھانکتا، منہ چھپاتا تھا اب جھنجلاتا، مشتعل ہوتا اور مارنے پر آجاتا تھا۔
"یار للو...... تو دانت بھی نئے لگوا لے۔ قسم سے پھر تو تجھے کشمیر کی بھی خوب صورت سی دلہن مل جائے گی۔" للو کی آج کی سج دھج دیکھ کر کہیں سے مشورہ آیا۔ اس کے دو چار دانت بھی جھڑے ہوئے تھے۔
"تو کُھد لدوا لے (تو خود لگوا لے) تو شادی کر، تیرا باپ شادی کرے۔" حسبِ سابق وہ غصے اور جنون میں آگیا۔
گزشتہ روز ہونے والی بارش نے گلی میں کیچڑ کر دی تھی۔ وہ منہ پھُلاتا، بچوں کی چیخ و پکار پر دھیان نہ دینے کی کوشش کرتا، تیز تیز قدم اٹھاتا جیسے ہی وہاں سے گزرنے لگا کسی نے کیچڑ میں پتھر کھینچ مارا۔ ساری

کیچڑ اس کے سفید کپڑوں کو داغ دار کر گئی۔
"اوئے میرے کپڑے۔" اس نے تتلا کر کہا اور اس کے بعد مغلظات کا ایک ریلا تھا جو اس کے منہ سے بہہ نکلا تھا۔ بچے کانوں پر ہاتھ رکھے، زبان چڑاتے آگے، آگے تھے اور وہ گالیاں بکتا، ہاتھ میں جو چیز آتی زمین سے اٹھا، اٹھا کر ان کی طرف پھینکتا ان کے پیچھے تھا۔ بچے ماہرانہ طریقے سے جھکائی دے کر بچ رہے تھے ورنہ اس کا ایک پتھر بھی پڑ جاتا تو جیسے جان نکل جاتی۔ وہ اس قوت کے ساتھ پھینک رہا تھا۔
"میں اپنے ابا تو بتاؤں دا۔" بچے غچہ دینے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ وہ ہانپ، ہانپ کر دھمکیاں دیتے نہ تھکا۔ سفید کپڑے کیچڑ سے داغ دار ہو گئے تھے۔ کھیڑی کا حال کپڑوں سے بھی ابتر تھا اور آج بھی ہمیشہ کی طرح اماں کی اُسے صاف ستھرا رکھنے کی کوشش ناکام گئی تھی۔

☆☆☆

"میں پیدائشی بدنصیب ہوں۔ اگر یہ بات میں علی الاعلان کہنا شروع کر دوں تو لوگوں کو میرا دماغی توازن خراب ہونے کا یقین آجائے۔ جدی پشتی جاگیردار سرداروں کے گھر پیدا ہونے والا، جائداد، مربعوں کا مالک، اونچے حسب نسب کا۔ بدنصیب ہو بھی کیسے سکتا ہے مگر میں بدنصیب ہوں...... ہاں میں پیدائشی بدنصیب ہوں کیونکہ میں سردار اجلال خان المعروف للو کا بیٹا ہوں۔"

☆☆☆

"ڈیڈی...... ہم یہاں رہیں گے؟" بڑے سے سرخ اینٹوں کے بنے صحن میں تین کمرے اور برآمدہ سامنے کی طرف تھا۔ کچن ان کمروں سے کافی فاصلے پر دائیں طرف دیوار کے ساتھ جبکہ ڈرائنگ روم کے نام پر ایک کمرا گھر کے بیرونی دروازے کے پہلو میں بنا ہوا تھا۔ باتھ روم کی لاج رکھنے کو ٹوائلٹ اور واش روم بھی بڑی شان و فرصت کے ساتھ یہیں

SCANNED BY FAMOUSURDUNOVELS
www.paksociety.com
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

اِستادہ تھے۔ چند منٹوں میں گھر کا معائنہ کر چکنے کے بعد اسے اصلی کے چکر آگئے۔ گھر، گھر تو کہیں سے بھی نہیں لگ رہا تھا۔

''فی الحال۔'' ڈیڈی اس کے چہرے پر منڈلاتے مایوسی کے بادل دیکھ کر شفقت سے مسکرائے۔

''اور آپ کے اس فی الحال کا دورانیہ کتنا ہے؟'' اس نے منہ بسورا تھا۔

''آپ کو اس گھر سے کیا پرابلم ہوئی؟''

''مجھے نہیں ہوئی، یہ گھر خود کسی پرابلم سے کم نہیں لگ رہا۔''

''بیٹے گاؤں میں اسی ٹائپ کے گھر ہوتے ہیں۔''

''یعنی بیڈ رومز، ڈرائنگ روم، کچن سب ایک دوسرے سے ناراض، دور دور، الگ الگ۔'' تجزیہ انوکھا تھا۔ ڈیڈی کو ہنسی آگئی۔ ''اور اٹیچڈ باتھ کا تو کوئی کانسیپٹ ہی نہیں۔'' وہ شاکڈ تھی۔ ڈیڈی نے کندھے اچکا ڈالے۔

''ڈیڈی آپ کو کیوں کچھ نہیں ہو رہا۔ میرا تو یہاں رہنے کا سوچ کر ہی سر چکرا رہا ہے۔''

''صرف آج...... پھر جب آپ ایڈجسٹ ہو جائیں گی تو کچھ غلط محسوس نہیں ہوگا۔'' ڈیڈی مطمئن تھے۔

''مت بھولیں آپ نے کہا ہے.... فی الحال۔'' اس نے انگلی اٹھا کر گویا یاد دہانی کروائی۔ ''اور یہ بھی بتا دیں آپ کا یہ فی الحال کچھ ہفتوں کے لیے ہے یا کچھ مہینوں کے لیے؟''

''میرا خیال ہے......'' خود تو مطمئن ہو چکے تھے لیکن اسے مطمئن کرنا کارِ مشکل لگ رہا تھا۔ ڈیڈی نے اتنا کہہ کر قدرے توقف کیا گویا اگلی بات سوچنے کا وقت لیا ہو۔

''کھانے کے لیے ہمیں گھر میں ہی کچھ کرنا پڑے گا۔ آئی ڈونٹ تھنک سو کہ یہاں ہوٹل ہوں گے۔ ہوئے بھی تو ان کا معیار بھروسے کے لائق نہیں ہوگا۔''

''اس کچن میں کیسے کوکنگ ہو سکتی ہے؟'' ایک اور پریشانی۔ کچن میں آتش دان نما جگہ کے اندر مٹی کا ایک چولھا بنا ہوا تھا یعنی اس کے لیے ایک نئی تصویر بلکہ حقیقت۔

''ڈیڈی......ہم کیوں آئے یہاں؟ اتنی اچھی سیٹلڈ لائف چھوڑ کر، بنا کسی وجہ کے...... میں نہیں سمجھ پا رہی؟'' ڈیڈی کے یہاں آنے کے فیصلے کے بعد اس نے کہیں بھی ظاہر نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ خوش نہیں۔ یہ فیصلہ اس کی زندگی پر کس حد تک اثر انداز ہو سکتا ہے۔ اس نے صرف اپنے تک رکھا مگر یہاں آجانے کے بعد پہلے گاؤں اور اب یہ گھر دیکھ کر وہ جیسے ایک پل میں ہر چیز سے اچاٹ ہوئی تھی۔ صرف گاؤں اور گھر ہی نہیں ڈیڈی کے فیصلے سے بھی۔

''خوشی......!'' ڈیڈی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا۔ ''آپ کو اپنے ڈیڈی پر بھروسا نہیں؟''

''ہے ڈیڈی بلکہ خود سے بڑھ کر ہے۔'' اس نے بنا کسی تامل کے کہا اور وہ جو کہہ رہی تھی وہ اس کے لیے دنیا کا سب سے بڑا سچ تھا۔ وہ اور ڈیڈی ایک دوسرے کا اعتبار تھے۔

''میں ایسا کوئی کام یا فیصلہ نہیں کر سکتا جس میں آپ کی بہتری و بھلائی نہ ہو کیونکہ میرے لیے میری دنیا آپ ہیں اور اپنی دنیا کی بہتری ہر کوئی چاہتا ہے۔''

''آئی نو۔'' آنسوؤں کی ہلکی سی آمیزش اس کی آواز میں شامل تھی جس پر اس نے فوراً قابو پایا کہ ڈیڈی کو اداس کرنا مقصود نہیں تھا۔ ''مجھے سمجھ نہیں آئی کہ اس فیصلے سے میری بھلائی کا کیا تعلق ہے؟'' مگر فوراً بعد اس نے ایسا سوال کیا کہ جس کے جواب کے لیے ڈیڈی کو باقاعدہ سر دُھننا پڑ گیا تھا اور جونہی انہوں نے خود کو جواب دینے کے لیے تیار کیا۔ اس کی پٹاری میں سے ایک اور سوال برآمد ہوا۔

''اور اب جب ہم نے رہنا یہیں ہے تو کیا ضروری ہے اس درجہ ریموٹ ایریا میں رہیں۔ کسی بہتر جگہ، کسی اور شہر میں بھی تو رہائش رکھی جا سکتی ہے۔'' بالکل بچوں کی طرح ایک کے بعد ایک تابڑ توڑ سوال کرنے کی عادی تھی۔ یہ عادت کبھی کبھی ڈیڈی کو زچ بھی کر دیا کرتی تھی مگر اس وقت ان کی بچت ہو گئی تھی۔ وہ پہلے سوال کا جواب دینے سے بحفاظت بچ گئے تھے۔

''مگر مجھے اپنی اسٹڈی کی بھی بہت فکر ہے۔ مجھے نہیں لگتا کہ یہاں ایسی کوئی سہولتیں ہوں گی۔''

''ابھی آپ ایسا کریں......تمام پریشانیاں اور فکریں کچھ وقت کے لیے ریسٹ پر رکھ لیں سوائے ایک کے۔''

''وہ ایک کون سی؟'' وہ ڈیڈی کے خوشگوار لہجے سے ذرا بھی متاثر نہ ہوئی۔

''کھانے کی۔''

''اوہ ہاں......'' اسے جیسے یاد آگیا۔ ''مجھے تو بھوک بھی لگ رہی تھی۔''

''تھی......؟'' ڈیڈی نے مصنوعی حیرت دکھائی۔

''بھئی اب بھی لگ رہی ہے، کم از کم مجھے تو بہت......'' اور ابھی وہ بات مکمل کرتے کہ دھڑ دھڑاتے دروازے نے باقی سب آوازیں نگل لیں۔

''یہ......'' اس زور سے بجتے دروازے نے اسے خوف سے زرد کر دیا تھا۔

''کوئی آیا ہوگا، میں دیکھتا ہوں۔'' ڈیڈی اس کا گال تھپتھپاتے کمرے سے باہر نکل گئے۔ وہ وہیں بیٹھی ہولتی رہی۔

''بالکل ہارر موویز کے جیسا گھر لگ رہا ہے، ہانٹڈ ہاؤس۔ پتا نہیں میں کیسے رہ پاؤں گی۔'' وہ... بہ آواز بلند بڑبڑاتی رہی یہاں تک کہ ڈیڈی ہاتھ میں خوشبو اڑاتی ٹرے اٹھائے واپس آگئے۔

''ابھی تو آپ اللہ کو تھینکس بولیں، آپ کی بھوک کا انتظام ہو گیا۔'' خوشبو نے اس کی بھی توجہ کھینچ لی تھی۔

''واؤ...... یہ کیسے ہوا ڈیڈی؟'' یکایک سب فکروں پر بھوک غالب ہوئی تھی۔

''منیر زندہ باد۔''

''وہ کیوں؟'' اس کے سوالوں کی پٹاری پھر سے کھلنے لگی تھی۔ ڈیڈی دہل گئے۔

''بعد میں سوئٹ ہارٹ...... بعد میں... ابھی کھانا کھائیں گرم گرم۔'' وہ بخوشی مان گئی۔

☆☆☆

ایسا ہمیشہ بھی نہیں ہوتا تھا کہ للو لوگوں کے مذاق کا نشانہ ہی بنا رہے اور گھر والوں کو خبر بھی نہ ہو۔ جیسا کہ اس شام... شدید گرم سالن گر جانے کی وجہ سے جلی ہوئی پنڈلی کے ساتھ وہ گھر آیا۔

''دتو کے تندور پر سالن گرا۔'' شدید تکلیف کی وجہ سے اس کی تتلاتی زبان شاید ہی کسی کی سمجھ میں آئی مگر وہ ماں تھیں کیونکر نہ سمجھ پاتیں۔

''تجھے کیا آفت پڑی ...تھی، دتو کے تندور پر جانے کی؟'' جلے پھپولوں کی تکلیف ایک طرف، ماں کی ڈانٹ کے ساتھ پڑے جھانپڑ نے آنسو نکال دیے۔

''جبارے کی ماں کی روٹی لینے گیا تھا۔''

''اس جبارے کی ماں کی تو میں......'' زہرہ خاتون کی آنکھوں میں قہر سمٹ آیا۔ ملازمہ کو لے کر آناً فاناً جبارے کے گھر پہنچی تھیں۔ جہاں بڑی خان زادی کی اچانک اور پُر جلال آواز پر سب بوکھلا گئے تھے۔

''کیوں ری؟'' جبارے کی ماں کو دیکھتے ہی زہرہ خاتون کے سارے جسم کا خون سمٹ کر چہرے پر آگیا۔ ''تیرے مر گئے تھے جو میرے اجلال کو اپنے پیٹ کا ایندھن بھرنے کے لیے دوڑا دیا۔'' انتہائی نفرت و تضحیک آمیز لہجہ تھا۔

جبارے کی ماں ہکا بکا...... ماجرہ کیا ہے؟ وہ تو خود بہو، بیٹوں کے سامنے للو کو بددعائیں دیتے نہیں تھک رہی تھی۔ جو سالن لینے گیا اور ابھی تک نہیں آیا

www.paksociety.com
SCANNED BY FAMOUSURDUNOVELS

WWW.PAKSOCIETY.COM

اور جو پتا ہوتا... زہرہ خاتون نے مٹوکل چھوڑے ہوئے ہیں جو اس کی بددعائیں زہرہ خاتون کو بتا آئیں گی تو آواز کا گلا نہ گھونٹ لیتی وہ ....

"سارا سالن اجلال پر گر گیا۔ پوری ٹانگ جل گئی۔" مگر وہاں معاملہ اور تھا۔ جبارے کی ماں کو اپنی شامت سر پر سوار نظر آئی۔

"معاف کر دو بڑی خان زادی۔ یہ تو للو پتر آیا کھڑا تھا تو میں نے بھول چوک میں اسے ہی بھیج دیا۔ جبار اور غفار ہوتے تو......"

"ہمارے کمی ہو کر ہم پر حکم چلاتے ہو۔" زہرہ خاتون آپے سے باہر ہو رہی تھیں۔

"میرے بیٹے کو اس سے زیادہ کچھ ہو جاتا تو میں تجھ سمیت تیرے پورے خاندان کی قبریں کھدوا ڈالتی۔" جبارے کی ماں کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ "اور اگر آج کے بعد اجلال کو کوئی کام بتایا تو میں ایسا کر بھی ڈالوں گی۔"

"میرے پُرکھوں کی توبہ جی۔ جیسے میرے جبار، غفار ویسے ہی میرے لیے للو...... میں......"

"بکواس بند کر، خبردار جو آئندہ اجلال کو اس نام سے بلایا بھی تو...... زبان اکھیڑ ڈالوں گی... جاہل، بدتمیز۔" زہرہ خاتون چلی گئیں پیچھے جبارے کی ماں تا دیر کلستی رہی۔

"اب للو کو للو نہیں کہیں گے تو کیا کہیں گے۔ موٹے دماغ والے کو گھر میں زنجیریں ڈال کر رکھے۔" وہاں حویلی میں زہرہ خاتون رات ہونے تک للو کو اچھے برے، اپنے پرائے، مالک مزارع کی پہچان پر لیکچر دیتی رہیں۔ جو اس کے لیے کسی لوری کی طرح ثابت ہوا۔ وہ شعور کے دروازے کھولے بغیر سو گیا۔

☆☆☆

قصبے کے قریبی شہر میں بابر، نوریا کو پک کرنے گیا تھا۔ وہیں اسے وہ نظر آئی۔ گیٹ پر گاڑیوں، رکشوں اور مختلف قسم کی وینز کا رش تھا۔ چھوٹے سے شہر کی حدود وقیود بھی اسی حساب سے تھیں سو کالج کی لڑکیوں کا حلیہ بھی ویسا ہی تھا۔ اکثریت بڑی، بڑی چادروں اور عبایا میں نقاب کیے کالج سے باہر آ رہی تھیں۔ بہت قلیل تعداد میں لڑکیاں تھیں جو صرف دوپٹوں میں تھیں۔ انہی میں ایک وہ بھی تھی۔ بابر کو کیوپڈ کا تیر چلنا اور پہلی نظر کی محبت جیسی کہاوتوں کے معنی اب سمجھ میں آئے۔ یہاں آج کل نئی کلاسز کے لیٹ ایڈمیشن بھی چل رہے تھے۔ وہ لڑکی یقیناً اسی مقصد کے لیے آئی ہوئی تھی کیونکہ یونیفارم میں نہیں تھی۔ گلابی اور سیاہ رنگ کے شلوار سوٹ میں اس کی دراز قامت اور گوری رنگت بہت نمایاں ہو رہی تھی۔ وہ بِنا تعارف کیے بھی بتا رہی تھی کہ وہ اس شہر یا اس علاقے کی نہیں۔ بابر کی وہاں موجودگی کے دوران اس لڑکی نے کوئی دس چکر تو باہر گیٹ کے لگائے۔ وہ گیٹ سے باہر آتی بری طرح گھبرائے انداز اور متلاشی نظروں سے چہار اطراف دیکھتی اور مایوسی کے مارے روہانسی شکل بنائے واپس ہو لیتی۔

کوئی اور دن ہوتا اور نوریا اتنی دیر لگا رہی ہوتی تو اس نے جگہ اور بھیڑ کا لحاظ کیے بِنا نوریا کو کھری کھری سنا ڈالنی تھیں مگر آج تو جیسے دل کی تمنا ہی یہی تھی کہ نوریا جتنی مرضی دیر لگائے اور وہ اس ماہ جبیں کی دید سے سیراب ہوتا رہے مگر تمنا تب کہاں پوری ہوتی ہے جب تمنا کی جائے۔ نوریا اگلے کچھ پلوں میں سامنے تھی۔

"دھت۔" بابر کی حالت غمزدہ ہو گئی۔ "اور دیر نہیں لگا سکتی تھیں؟" جب نوریا بجارو میں بیٹھ گئی تب اس نے جل کر کہا۔ نوریا اسے طنز ہی سمجھی۔

"سوری بھائی جان، پریکٹیکل کی وجہ سے دیر ہو گئی۔" نوریا نے چہرے پر سے نقاب ہٹا لیا تھا۔ وہ کالج عبایا میں آتی جاتی تھی۔ بابر بڑی بے دلی سے گاڑی ریورس کرنے لگا۔ اب یہ طے تھا اس نے اگلے کئی دنوں تک بخوشی نوریا کو پک اینڈ ڈراپ کرنا تھا۔

☆☆☆

پہلے دادی پھر پھپھو...... وہ ابھی سکون کی سانس بھی نہیں لے پایا تھا کہ پھپھو کے فوراً بعد نوریا آ گئی۔

"ہائے شاہجہاں، کب آئے؟" اسے دیکھ کر اس کی آنکھیں روشن ہو جاتی تھیں۔ شاہجہاں کو بری طرح سے خود پر ترس آیا۔ اس وقت وہ جس قدر تنہائی چاہ رہا تھا اسے اتنا ہی ڈسٹرب کیا جا رہا تھا۔

"تھینک گاڈ تم آ گئے۔" اپنے ریشمی بالوں کو حسبِ عادت جھٹکتی وہ بے ساختہ امڈتی خوشی کے ہاتھوں بے حال ہوئی۔ "اور میں جانتی ہوں کہ تم کیوں آئے؟" شاہجہاں نے ناگواری چھپانے کے سارے جتن منہ کے بل گرائے۔ فی الحال مروّت نبھانے میں نقصان تھا۔

"میری سالگرہ ہے اور تم مجھے وش کرنے کے خیال سے آئے ہو۔ مجھے سرپرائز کرنے تھے ناں؟" بعض لوگ حقیقت جانتے بوجھتے بھی خوش فہم بنے رہنا چاہتے ہیں۔ وہ ایسے ویسے کسی بھی خیال سے نہیں آیا تھا اور نوریا اس بات سے بخوبی واقف تھی مگر دل کے خوش کرنے کو ایسا کہہ بھی دیا تو کیا برا کیا۔

"آئی ایم آنرڈ اے ایس پی صاحب تم اپنا قیمتی وقت......"

"نوریا......" اس نے بالآخر ٹوک دینا مناسب سمجھا۔ "مجھے نیند آ رہی ہے۔" نوریا بے اختیار چپ ہوئی تھی۔ اس بندے کو دل رکھنا واقعی نہیں آتا اور وہ ہر بار اپنی ہتک آپ کروانے اس کے سامنے آ کھڑی ہوتی۔ خوش امیدی کا سہارا لیے۔

"سمجھا کرو...... میں تھکا ہوا ہوں۔" اگلا جملہ بھی منہ پر مارنے والا تھا۔ نوریا کے چہرے پر تاریک سائے لہرا گئے۔ اس کی ساری بشاشت یک دم اُڑنچھو ہوئی تھی۔ وہ ہونٹ بھینچے کچھ دیر وہاں کھڑی رہی پھر سر جھٹک کر "نائس ڈریم۔" کہتی باہر بھاگ گئی اور وہ اتنا جانتا تھا یہ ردِعمل وقتی تھا۔ صبح وہ بالکل نارمل نظر آنی تھی۔ اس کے جاتے ہی دروازہ لاک کر کے وہ بستر پر گر سا گیا۔ اسے آئے کچھ ہی دیر ہوئی تھی۔ نہ کپڑے بدلے تھے اور نہ جوتے اتارے تھے۔ جب دادی چلی آئیں۔ خیر خیریت پوچھنے اور بتانے اور پیار دینے کے بعد انہیں گئے پانچ منٹ بھی نہ بیتے ہوں گے کہ پھپھو دودھ کا گلاس لیے حاضر ہوئیں۔ پھپھو کا وہی کوفت میں مبتلا کر دینے والا مصنوعی پیار جتلاتا انداز جو آج صد شکر مختصر دورانیے کا رہا اور یہ نوریا۔

وہ دونوں ایک ساتھ پروان چڑھے تھے۔ نوریا کی پوری زندگی اس کے سامنے گزری۔ وہ مزاجاً پھپھو کا پرتو تھی۔ غیر مستقل مزاج، ضدی، اکھڑ اور قوتِ برداشت کی کمی کا شکار۔ وہ خاصی ماڈرن اور فیشن پرست لڑکی تھی۔ اپنی روایتی اقدار پر بھی کاربند لیکن بلا کی اسٹائلش تھی۔ اس کے مزاج کی تندی اور بے حد ماڈ ہونا بھی شاہجہاں کو گوارا ہو جاتا اگر اسے یہ یقین نہ ہوتا کہ نوریا بابا کی پسند ہے۔ اسے یقین تھا کہ اس کی زندگی کے دیگر اہم ترین فیصلوں کی ڈور اپنی مرضی سے ہلانے والے بابا یہاں بھی اپنی من مانی کریں گے۔ نوریا کو ہی اس کی زندگی کا ساتھی بنائیں گے مگر اب سب کچھ بدل چکا تھا۔ درحقیقت وہ خود بدل گیا تھا۔ وہ بچپن کا وہ شاہجہاں نہیں تھا جسے ماما اور بابا نے اس کی مرضی کے خلاف بورڈنگ بھیج دیا تھا۔ محض اس لیے کہ بابا کی خواہش تھی اور نہ وہ...... وہ شاہجہاں رہا تھا جسے اعلیٰ تعلیم کے نام پر مقابلے کا امتحان دینا پڑا تھا اور ناپسندیدہ ترین شعبے کو بطور پیشہ اپنانا پڑا تھا کیونکہ بابا چاہتے تھے مگر اب نہیں...... نوریا تو قطعی نہیں...... نیند کے حاوی ہونے تک وہ ڈیڈ کو اپنے تئیں نو مور کہہ چکا تھا۔

☆☆☆

لوگوں کا مذاق حقیقت کا روپ بھی دھار لے گا۔ کسی کے وہم و گمان میں نہیں تھا۔ سردار شمشیر علی

SCANNED BY FAMOUSURDUNOVELS
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

خان ہارٹ اٹیک کے بعد جونہی صحت یاب ہوکر گھر لوٹے۔ زہرہ خاتون نے گویا رٹ لگالی۔

''خان صاحب، اجلال کی شادی کردیتے ہیں۔'' شمشیر خان نے حسبِ توقع بات مذاق میں لی مگر زہرہ خاتون نے تو جیسے تہیہ کررکھا تھا اجلال کی شادی کرکے دم لیں گی۔

ایک دن، دو دن بالآخر روز روز کا کہنا کام کرگیا۔ شمشیر خان متوجہ ہو ہی گئے۔

''نیک بخت اپنے حواسوں میں رہا کرو۔''

''کیوں، ایسا کیا کہہ دیا میں نے؟'' وہ برا مان گئی تھیں۔

''اس اللہ لوک سے شادی کون کرے گا اور یہ کیا شادی کے قابل ہے؟ ایک ذمّے داری جو سیدھی عقل والے بندے نہیں اٹھاسکتے تم اس پاگل پر لاد رہی ہو۔''

''کمی کیا ہے میرے بیٹے میں؟'' ان کے دل پر گھونسا پڑا تھا۔ ''لوگوں کے اندھے، کانے، گونگے، بہرے شادی شدہ ہوجاتے ہیں تو میرا اجلال کیوں نہیں؟''

''وہ سب دماغ والے ہوتے ہیں۔'' شمشیر علی خان حقیقت شناس تھے۔

''میرے بیٹے کا دماغ بھی پورا ہے، لوگ تنگ نہ کریں تو ٹھیک ٹھاک رہتا ہے۔ آپ سے مجھ سے زیادہ سُدھ بدھ والا۔''

''یہ تو تم کہہ رہی ہو ناں۔'' شمشیر خان ہنس دیے۔ منّتوں، مرادوں کے بعد پیدا ہونے والا اجلال خان.... وہ بھی کمزور دماغ! سوچ کر تکلیف تو ایسی ہوتی تھی کہ دل بند ہوجائے پر اللہ کی رمزیں اللہ جانے۔ آزمائش لینے کے اس کے اپنے طریقے۔

''اور یہ اچانک بیٹھے بٹھائے تمہارے دماغ میں آیا کیونکر؟'' اب وہ کیا بتاتیں ایک نہیں بہت سی وجوہات نے ان کا دل سکیڑ رکھا تھا۔ دنیا والوں کے لیے وہ بھلے پاگل ہے پر ان کی اولاد تھا خود سے بڑھ کر پیارا۔ یہ سوچ کر کہ اس کا خیال رکھنے والے، دنیا کے سرد گرم سے بچانے والے اللہ کے بعد صرف اس کے ماں باپ ہی ہیں اور آج اگر ان دونوں کو کچھ ہوجاتا تو وہ کہیں کا نہیں رہے گا۔ بے شک شمشیر خان کی طرح وہ اکلوتی نہیں تھیں۔ ان کا میکا بھرا پُرا اور سلامت تھا مگر زمین جائداد جہاں آجائے وہاں رشتے داری بھی لالچ، طمع اور خوشامد کی مرہونِ منت ہوجاتی ہے اور بس۔

''میں یہ سوچتی ہوں، آج اگر ہمیں کچھ ہوجاتا ہے تو پھر کون ہے جو اس کی دیکھ ریکھ کرے گا؟'' ان کی آواز بھرّا گئی تھی۔

''اللہ حیاتی دے بلال کو، تم دیکھتی نہیں ہو جان چھڑکتا ہے اجلال پر۔'' شمشیر خان کے لہجے میں حلاوت گھل گئی۔ بلال، اجلال سے چھوٹا تھا۔

''بے شک لیکن اپنی اولاد کے سامنے ماں باپ بھی نظر نہیں آتے بہن بھائی کیا چیز ہیں۔ آج بلال 'بھائی' کو پوچھتا ہے کیونکہ ہم اس کے سر پر ہیں کل کلاں کو ہم بھی نہ رہے اور بلال خود صاحبِ اولاد ہوگیا تو پھر یہی بھائی آنکھوں میں چبھنے لگے گا۔''

''وہم ہیں تمہارے۔'' شمشیر خان کا لہجہ پست تھا۔ زہرہ خاتون کی دور اندیشی بالآخر انہیں تائید کے لیے مجبور کررہی تھی۔

''چلیں مان لیا بلال بڑے بھائی کو پیٹھ نہیں کرسکتا لیکن اس کی دلہن؟'' تلخی سے کہتے، کہتے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ کیا بتاتیں ابھی دو، روز قبل جب وہ بلال کو اس کے کسی ملنے والے کی اطلاع دینے کے لیے گئیں اور کمرے کے دروازے پر ہی ٹھٹک گئیں اندر زرنگار کہہ رہی تھی۔

''مجھے اجلال سے بہت ڈر لگتا ہے۔'' ان کی بھویں سکڑ گئیں اور بالکل ان کی طرح اندر زرنگار نے بھی بلال کی طرف سے کسی استفہامیہ لفظ کی توقع کی ہوگی مگر مایوس ہوکر مزید کہنے لگی۔

''بہت عجیب نظروں سے گھورتا ہے۔'' بے ساختہ زہرہ خاتون نے ہونٹوں پر ہاتھ رکھا تھا۔

''کہنے کو دماغ کا تھوڑا ہے پر جہاں چار عورتیں دیکھتا ہے وہاں عقل واپس آجاتی ہے۔ دو کی چھ آنکھیں بن جاتی ہیں اس کی۔'' بہت جان جلاتا تجزیہ تھا۔ زہرہ خاتون کی آنکھوں میں شرارے سے جلنے بجھنے لگے۔ یہ ان کی پیاری بھتیجی تھی جسے وہ بڑے چاؤ سے بیاہ کر لائی تھیں اور جس کے اندر کا زہر آج افشا ہوا تھا۔

''اماں ......آپ......'' معاً عقب سے آواز ابھری تھی۔ ''یہاں کیوں کھڑی ہیں، اندر آئیں ناں۔'' بلال کو باہر سے آتا دیکھ کر وہ دھواں، دھواں چہرے کے ساتھ اسے دیکھے گئیں۔ دل بہر حال شانت ہوا تھا۔ یہ سوچنا کہ زرنگار ایسی گل افشانی بلال کے سامنے کررہی ہے اور بلال چپ چاپ سنے جارہا ہے کسی اذیت سے بھی بڑھ کر تھا۔

''تمہیں بلانے آئی تھی کوئی ملنے آیا بیٹھا ہے۔'' بہ مشکل خود کو سنبھال کر وہ وجہ بیان کرپائی تھیں۔

''آپ سے پہلے وسائی آگئی تھی بلانے۔'' اس نے ملازمہ کا نام لیا تھا۔ وہ سر ہلاتی وہاں سے ہٹ گئیں۔ زرنگار یقیناً فون پر مصروفِ گفتگو تھی۔ یہ چھوٹی سی مثال تھی اس کے علاوہ بھی بہت کچھ آنکھوں کے آگے آشکار ہونے لگا تھا۔

''اجلال کے سامنے اوّل تو آتی نہیں، آ بھی جائے تو ایسی ہوجاتی ہے جیسے کوئی بھوت نظر آگیا ہو۔ میری گناہ گار آنکھوں نے نہیں دیکھا اس نے اجلال کے سامنے کبھی روٹی پانی رکھا ہو میں خود اس کا دھیان رکھتی ہوں۔ آج اگر میں مرجاؤں تو میرے بچے کا یہ دانہ پانی بھی بند کردے اتنا تو گھن کھاتی ہے۔'' اور اب ٹھیک انہی خدشات کا تذکرہ وہ شوہر کے آگے کررہی تھیں۔

''گھن کھانے کی بات نہیں نیک بخت، دیور بھابی کا رشتہ ہوتا ہی نامحرموں والا ہے۔''

کھجور کھائیے فیض اٹھائیے

ماہِ رمضان کی آمد آمد ہے۔ اس میں کھجور کی بہار ہوتی ہے کیونکہ اس کے بے شمار فوائد ہیں۔

☆ رات بھر بھیگے ہوئے کھجور کا پانی نہار منہ پینے سے جسم کی غلیظ رطوبتیں صاف ہوتی ہیں۔

☆ کھجور کے ذیلی اثرات کو دور کرنے کے لیے دو بادام اور چٹکی بھر خشخاش معتدل اثر رکھی ہے۔

☆ صنوبر کے بیجوں کے ساتھ کھجور جگر کے لیے مزید مقوّی ہوجاتی ہے۔

مرسلہ: فضہ بتول: بہارہ کہو

☆☆☆

''ارے شریعت اُسے اجلال کو دیکھ کر یاد آتی ہے؟'' ان کی آواز قدرے بلند ہوگئی۔

''بس آپ اجلال کے لیے کریں کچھ۔ مجھے آنے والا وقت ڈراتا ہے۔ اجلال کے اپنے بیوی بچے ہوں گے تو پھر پروا نہیں۔'' شمشیر خان اس نہج پر سوچنے کے لیے مجبور ہو ہی گئے۔

☆☆☆

''اجلال کی شادی......'' زرنگار نے سنا تو کتنی ہی دیر یقین کرنے میں متامل رہی۔

''ہاں۔'' زہرہ خاتون کا اطمینان قابلِ دید تھا۔ زرنگار کے چہرے پر مٹتے ابھرتے سائے انہیں بہت کچھ باور کروارہے تھے۔

''لیکن پھپو......'' زرنگار کو ردِّ عمل چھپانے میں مشکل ہورہی تھی۔

''کیوں، وہ مرد نہیں ہے کیا؟'' زہرہ خاتون نے گویا تمسخر اڑایا۔

''آپ جانتی ہیں وہ کیسا مرد ہے؟'' تب زرنگار نے بھی مصلحت، مروت بالائے طاق رکھ کر دوٹوک

SCANNED BY FAMOUSURDUNOVELS
www.paksociety.com
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

بات کی۔ ''ایسے کو کون بیٹی دے گا سوچیں ذرا؟''

''میں نے سوچ لیا اور میں خود اپنے بچے کے لیے لڑکی دیکھوں گی۔''

''آپ کیوں اس لڑکی اور ہم سب کے لیے امتحان کھڑا کرنا چاہ رہی ہیں؟''

''کھل کر بات کرو، تم کیوں اعتراض کر رہی ہو؟''

''کھل کر ہی کہہ رہی ہوں۔ ایک اجلال نہیں سنبھالا جاتا اس کے بیوی بچے کیسے سنبھلیں گے۔ اجلال اپنی خود کی نہیں کر سکتا بیوی بچوں کی کیا کرے گا۔ ہمارے ہی اوپر ان کا گناہ ثواب......'' زرنگار نے اعتراض گنوائے تو رکنے میں نہ آئی۔ زہرہ خاتون کا اشتعال... اس کے ہر اعتراض پر بتدریج بڑھتا گیا۔ زرنگار ایسا بھی سوچ سکتی ہے وہ توقع بھی نہیں کر سکتی تھیں۔ سچ ہے اپنے بھی مصیبت کے وقت ہی اصلیت دکھاتے ہیں اور وہ نہیں جانتی تھیں کہ زرنگار کی مزید کس، کس سوچ پر پانی پھرنے والا ہے۔

بلاشبہ بلال سے زیادہ اجلال کے نام جائداد تھی۔ شمشیر خان جو نئی زمین یا دکان خریدتے اجلال کے نام کرتے جاتے۔ اب زرنگار منہ سے کہہ کر کیوں بری بنتی۔ اسے یقین تھا کہ دل کے مریض شمشیر خان اور زہرہ خاتون نے ویسے ہی نہیں رہنا پھر اس پاگل کو زمین جائداد کی کیسی سمجھ۔ بڑی آسانی سے بڈھوں کے مرنے کے بعد وہ سب زرنگار کی ہی اولاد کو منتقل ہو جانا تھا مگر......اجلال کی شادی کے بعد ایسا ہوتا تو کیا اس کا تصور بھی بیکار تھا۔

☆☆☆

''مگر زرنگار چچی ٹھیک تھیں۔ میرے باپ کے لیے لڑکی ڈھونڈنا مسئلہ ہو گیا تھا۔

بے شک وہ جاگیرداروں کی اولاد تھا۔ اس کا باپ علاقے کے چیدہ چیدہ سرداروں میں سے ایک تھا مگر یہ ساری خوبیاں پس منظر میں چلی گئیں۔ سب کو نظر آیا تو صرف اس کا پاگل ہونا۔ جائداد، زمین کے لالچ میں کوئی اپنی بیٹی دے بھی دیتا تو زرنگار کی شکل میں ایک خطرہ سامنے آ کھڑا ہوتا۔ ساس، سسر کی زندگی کتنی رہنی تھی بعد میں اجلال کی بیوی نے زرنگار اور اس کے بچوں کی ہی چاکری کرنی تھی۔ زرنگار جیسی تیز طرار اور خاندانی بہو کے سامنے بھلا اجلال کی بیوی کی کیا وقعت ہونی تھی۔

یوں خاندانی، حسب نسب والی لڑکی تو کیا ہی ملتی اپنے مزارعے بھی پیچھے ہٹ گئے۔ تب پھر ابا کے لیے علاقے سے باہر کسی چھوٹی سی بستی کی لڑکی ڈھونڈ ہی لی گئی اور یہاں بھی میری بدنصیبی......میری ماں ایک معصوم، ناسمجھ اور بھولی سی لڑکی نکلی۔ جس کا نصیب میرے باپ کے ساتھ اس وجہ سے جُڑا کہ اس کی ماں سوتیلی تھی اور سوتیلی ماں نے بیٹی کے لیے خیر کی بات کہاں سوچنی تھی۔ اسے تو بیٹی کے بدلے زیادہ ان پیسوں کی مہک نے لبھایا جو اسے بیٹی کے عوض میرے دادا، دادی نے دیے۔''

☆☆☆

''تمہارے کالج میں نئے ایڈمیشنز ہوئے ہیں؟'' پورا ایک ہفتہ بڑی جانفشانی سے نوریا کو پک اینڈ ڈراپ کرنے کے باوجود بھی دل کی مراد بر نہ آئی تو شرم، جھجک کو لات مار کر بابر بہن سے پوچھنے لگا۔ یہ چھٹی کا وقت تھا اور نوریا نے قریب ہی موجود ریڑھی والے کو گنے کے جوس کا کہا تھا۔ خلافِ معمول بابر اس کی اس حرکت پر تاؤ میں آنے کے بجائے خاموشی سے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالے بیٹھا رہا۔

''ہاں ہوئے تو ہیں۔'' نوریا نے نقاب سرکا لیا تھا۔

''میرے ایک جاننے والی کی بہن نے بھی ایڈمیشن لیا ہے۔'' جھوٹ بولنے میں بابر کو ملکہ حاصل تھا۔ کہانیاں گھڑنے میں ماہر۔ ''تم جانتی ہو گی اسے؟''

''کسے؟'' نوریا کو جوس کا انتظار تھا۔ پیاس سے حلق میں کانٹے ابھرے پڑے تھے۔ بابر کی بات بھی بے توجہی سے سنی۔

''میرے دوست کی بہن کو جس کا ایڈمیشن ہوا ہے۔'' بابر نے خون کا گھونٹ نگلا تھا عین اسی پل جوس کا گلاس بھی آ گیا یعنی آج پھر دید نامراد رہی اب انہیں یقیناً واپسی کرنی تھی۔ بابر کے دل پر اوس گرنے لگی۔

''مجھے الہام تو نہیں ہوتے کہ فلاں لڑکی تمہارے دوست کی بہن ہے۔ عجیب بات کر رہے ہو۔'' نوریا بھی اس کی بہن تھی بدلحاظی و بے مروتی کا اعلیٰ نمونہ......کہہ کر جوس پینے لگی۔

''اونچی لمبی سی ہے، بہت گوری اور بہت حسین۔ ہمارے علاقے کی نہیں لگتی ارے......'' بات کرتے کرتے بھی چاروں طرف نظریں دوڑانا مفید رہا۔ وہ سینے سے فائل لگائے بیگ لٹکائے تھکی، تھکی سی شکل کے ساتھ گیٹ سے باہر آ رہی تھی۔ آج بھی اس کے میرون کپڑوں میں سیاہ رنگ کا امتزاج تھا۔ اس نے شیفون کا میرون دوپٹا سر پہ لے رکھا تھا۔

''وہ رہی۔'' بابر کے جوش نے نوریا کا کام تمام کر دیا۔ جوس کپڑوں پر گر گیا تھا۔

''توبہ ہے۔'' ٹشو سے دوپٹا اور عبایا پونچھنے کے ساتھ اس نے بابر کی نظروں کا تعاقب کیا اور عجیب سی شکل بنالی۔

''یہ......خوش بخت......'' اسے کچھ خاص خوشی نہیں ہوئی تھی۔

''ہاں، ہاں یہ۔'' بابر کو گویا گوہرِ مقصود مل گیا۔ ''تم ملی ہو اس سے؟''

''نہیں۔'' ناگواری و ناپسندیدگی نوریا کے ہر انداز سے عیاں تھی۔ ''بہت مغرور ہے، ہر وقت چپ رہتی ہے۔ میں نے اسے کسی کے ساتھ بھی بات کرتے نہیں دیکھا۔ پتا نہیں کس بات کا غرور ہے۔ دیکھو تو سہی بغیر برقع، چادر کے آتی ہے...پٹکے سے دوپٹے میں، بے حیا نہ ہو تو۔'' صاف لگ رہا تھا لڑکی نے نوریا کو بھی گھاس نہیں ڈالی۔ اس کا لہجہ ٹھیک ٹھاک حاسدانہ تھا۔

''خوش بخت۔'' بابر نے دل میں دُہرایا۔ ''چلو کچھ تو ہاتھ آیا تھا، نام ہی سہی۔''

☆☆☆

اور زرنگار غلط نہیں تھی۔ اجلال کی شادی نے ان کے لیے امتحان کھڑے کر دیے۔ وہ جو سوچ رہی تھیں کہ بیوی کے آ جانے سے اجلال کو لگام مل جائے گی۔ وہ گھر میں ٹکنے لگے گا تو غلط سوچتی تھیں۔ سمیعہ میں وہ گُن تھے ہی نہیں جو اجلال جیسے شوہر کو سنبھال، سُدھار یا قابو کر سکتی۔

''بیٹا، اجلال کہاں ہے؟'' وہ پوچھتیں۔

''پتا نہیں۔'' سمیعہ غیر حاضر دماغی سے جواب

سسپنس، سرگزشت، پاکیزہ، جاسوسی
سول ایجنٹ برائے یو۔اے۔ای



ویلکم بُک شاپ
پی او بکس: 27869 کرامہ، دبئی
فون: 04-3961016 فیکس: 04-3961015
موبائل: 050-6245817 ای میل: welbooks@emirates.net.ae

معیاری کتابوں کا اعلیٰ مرکز



ویلکم بُک پورٹ
ریٹیل، ہول سیل، ڈسٹری بیوٹر، پبلشر، ایکسپورٹر
مین اردو بازار کراچی
فون: 32633151, 32639581 (92-21) فیکس: 32638086 (92-21)
ای میل: welbooks@hotmail.com
ویب سائٹ: www.welbooks.com

SCANNED BY FAMOUSURDUNOVELS
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

دیتی۔ ان کی جان جل کر رہ جاتی۔ حد تو یہ تھی کہ اجلال دو راتیں پوری گھر سے غائب رہا اور سمیعہ نے پرواہی نہیں کی۔

''سمیعہ دھی...... بیویوں کے یہ طور طریقے نہیں ہوتے۔ پتر تو سجا بنا کر، اجلال کی پسند کے کھانے بنایا کر۔ اس کا دل بہلے گا تو وہ تیرے پاس زیادہ وقت گزارے گا۔'' پہلے بیٹے کو سمجھاتی تھیں اب ڈبل ڈیوٹی لگ گئی تھی۔ بہو کو بھی سمجھانا پڑ رہا تھا۔

''جی اچھا۔'' اور سمیعہ کا رٹو طوطے جیسا جی اچھا وہ سجھ چکی تھیں۔ سمیعہ کو صرف جی حضوری کرنا آتی ہے کسی بے زبان جانور کی طرح وہ ان کی یا زرنگار کی ہر بات مانتی چلی جاتی۔ اس کی اپنی کہیں کوئی مرضی نہیں ہوتی۔

وہ بھولی نہیں تھی وہ کم دماغ بھی نہیں تھی۔ محض سوتیلی ماں کے کریہہ سلوک کا شکار تھی۔ اس کی شخصیت کو مسخ کرنے میں ان کے تشدد اور خوف کا بھی بہت ہاتھ تھا۔

☆☆☆

''ڈیڈی۔'' بالآخر ڈاکٹر سے کمرے میں جانے کا اجازت نامہ مل گیا تھا وہ بھاگتی ہوئی گئی اور ان کے سینے سے جا لگی۔

''میں ٹھیک ہوں بیٹے۔'' ڈیڈی اس کا سر تھپکتے رہے۔ اس سے آنسو روکنا محال ہو رہا تھا۔ ''خوشی، میں ٹھیک ہوں، سوئٹ ہارٹ۔'' اس کی سسکاریاں بدستور جاری رہیں۔

''میرے ڈیڈی ٹھیک ہیں ناں؟'' ڈیڈی کے سینے سے سر اٹھا کر وہ قریب کھڑے ڈاکٹر سے یوں پوچھنے لگی جیسے ڈیڈی کی بات کا یقین نہ ہو۔ ڈاکٹر ہمسایوں کے لڑکے زبیر کی مہربانی سے آئے کھڑے تھے اور اس کے شکی لہجے پر مسکرا رہے تھے۔

''آف کورس بیٹا، آپ کے ڈیڈی ٹھیک ہیں۔'' وہ مطمئن ہوئی یا نہیں ڈیڈی سے الگ ضرور ہوگئی۔

''آپ مجھے نسخہ دیجیے۔''

''وہ میں نے زبیر کو دے دیا ہے۔ وہی میڈیسنز لا دے گا۔ اوکے بیٹا، پریشان مت ہوں اور نہ ڈیڈی کو کریں۔ اپنے ڈیڈی کا خیال رکھیں بس۔'' ڈاکٹر الوداعی کلمات کہتے رخصت ہوگئے۔ وہ انہیں بیرونی دروازے تک چھوڑنے گئی۔ بجلی نہ ہونے کی وجہ سے صحن تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ کوئی اور موقع ہوتا تو وہ صحن میں قدم بھی نہ دھرتی مگر اس وقت سب ڈر، سب خوف ختم ہوگئے تھے۔ وہ بھاگ کر کمرے میں آئی۔ ڈیڈی تکیے سے لگے آنکھیں موندے ہوئے تھے۔ وہ وہیں جم سی گئی۔ زرد رنگت کے ساتھ وہ بالکل ایک دم سے کمزور نظر آنے لگے تھے۔

''خوشی...... میرے پاس آؤ بیٹا، رک کیوں گئیں؟'' وہ جاگ رہے تھے۔ خوشی چھوٹے، چھوٹے قدم اٹھاتی ان کے بالکل قریب جا بیٹھی۔

''ڈیڈی ٹھیک ہیں جان۔'' وہ اس کا ہاتھ سہلاتے ہوئے گویا یقین دلا رہے تھے۔ خوشی کے آنسو پھر سے بہنے لگے۔ ''خوشی نہیں بیٹے...... یہ کیا؟'' وہ تڑپ کر اس کے آنسو صاف کرنے لگے۔

''پھر آپ کو درد کیوں ہوا؟ آپ...... آپ بے ہوش کیوں ہوئے؟ ڈاکٹر کے آتے ہی مجھے روم سے باہر کیوں بھیج دیا؟'' وہ ان کے سینے سے لگی چھوٹے بچوں کی طرح روتی جا رہی تھی، بولتی جا رہی تھی۔

''مجھے درد تو بالکل کہیں نہیں ہوا۔ یہ آپ سے کس نے کہہ دیا اور بے ہوش میں اس لیے ہوا کہ کام کا اسٹریس شاید زیادہ بڑھ گیا۔ گھر ڈھونڈنا، خریدنے کے مراحل پھر آپ کا ایڈمیشن، آپ کو پک اینڈ ڈراپ کرنا...... یار انسان ہوں وہ بھی کمزور سا، طبیعت اتنا کہاں سہار سکتی ہے۔'' وہ چپ چاپ ڈیڈی کی توجیہات سنتی رہی۔ چہرے پر ثبت پریشانی کے اثرات ہنوز برقرار رہے۔

''اچھا...... چلیں کوئی اور بات کرتے ہیں۔ یہ بتائیں میرا بیٹا آج مجھے کیا کھلا رہا ہے؟'' ان کی حتی المقدور کوشش تھی خوشی کو اس فیز سے نکالنے کی مگر اس کی آنکھیں پھر سے بھیگنے لگیں۔ اس ہستی کا اتنا شدید بیمار ہونا کہ بے ہوش ہو جائے جو اس کے لیے لازم و ملزوم تھی اس کے لیے کسی قیامت سے کم نہیں تھا۔

''اوہو......... میرا بزدل بچہ۔'' ہنستے ہوئے انہوں نے اسے خود سے لگا لیا تھا تب تک تھپکتے رہے جب تک کہ اس نے جی بھر کر رو نہیں لیا۔

☆☆☆

''تم آج واپس جا رہے ہو؟'' اسے یقین تھا یہ سوال پھپھو نے کرنا ہے اور ناشتے کی میز پر کرنا ہے۔ جب بابا بھی موجود ہوں۔ بابا نے استفہامیہ اسے دیکھا تھا اور یہی پھپھو چاہتی تھیں۔ پتا پھینک کر وہ یوں ہوگئیں جیسے کچھ کہا ہی نہ ہو۔

''جی۔'' بے نیاز نظر آنے کی کوشش کرتا وہ ناشتے میں مگن رہا حالانکہ جانتا تھا کہ بھی نفوس کا مرکزِ نگاہ وہ بن چکا ہے۔

''تم یہاں پوسٹنگ کیوں نہیں کروا لیتے؟'' بابا کی بھاری، باٹ دار آواز ابھری تھی۔ وہ بدستور ناشتے میں مشغول رہا۔

''ابھی ممکن نہیں ہے۔''

''چھٹیاں تو ممکن ہیں؟''

''وہ میں گزار کر جا رہا ہوں۔''

''دو چھٹیوں کی بات نہیں کر رہا میں۔'' اس کا بے پروا انداز ڈیڈی کو کھل ہی گیا۔

''تمہاری دادی اور پھپھو کا خیال ہے اب تمہاری شادی ہو جانی چاہیے۔'' ناشتا بھی ہو چکا تھا یعنی مزید بے نیازی ظاہر کرنے کا بہانہ ختم۔ نیپکن سے ہاتھ صاف کرنے کے بعد اس نے دادی، پھپھو اور آخر میں نوریا کو دیکھا جو شرمائی، شرمائی سی لگی۔

''شکر ہے کسی کو خیال آیا۔ تمہاری گاڑی آگے

دکھ

دکھ اس بات کا نہیں ہے
کہ
رشتے کیوں ٹوٹ گئے ہیں
دکھ تو اس بات کا ہے
کہ
میرے اپنے
پاکیزہ رشتوں کو پامال کر رہے ہیں
اور
جب رشتوں کو پامال کیا جاتا ہے
تو
اس سے دل بھر جاتا ہے!

شاعرہ: ایمان زہرا شیرازی
ڈھڈیال، ضلع چکوال

بڑھے گی تو میری اسٹارٹ ہوگی۔'' بابر کی سرگوشی پر وہ مسکرا بھی نہ سکا۔

''فی الحال آپ بابر کی کر دیں۔ میرا نہ تو موڈ ہے اور نہ فرصت۔'' وہ کھڑا ہو گیا تھا۔ بابا کی رنگت سرخ ہو رہی تھی۔

''شاہجہاں!'' اور یہ بھی معلوم تھا پیچھے سے پھپھو نے پکارنے کا فریضہ ضرور انجام دینا ہے۔ جلتی آگ کو مزید بھڑکانے میں انہیں لطف ملتا تھا۔

''اللہ حافظ!'' وہ ناگواری سے کہتا ڈائننگ ہال سے نکل گیا۔

☆☆☆

دادی بتاتی تھیں۔ کچھ مہینوں کے فرق سے میں اور شجاع آگے پیچھے پیدا ہوئے۔ تب شجاع سے زیادہ میری یعنی شہباز کی پیدائش پر خوشیاں منائی گئیں کیونکہ تب بہت مشہور تھا کہ اجلال جو بچپن میں للو مشہور تھا کی اولاد بھی اجلال جیسی ہی ہوگی اور

SCANNED BY FAMOUSURDUNOVELS

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

دادی، دادا سخت خوف زدہ تھے۔ باقاعدہ میری اماں کو ابارشن کے مشورے دیے جاتے رہے۔

"ارے ایک پاگل کافی نہیں ہے جو دوسرا بھی پیدا کرنے چلیں۔" زرنگار چچی قیمتی مشوروں کے ساتھ نمایاں ہوتی تھیں اور پھر مجھ اچھے بھلے کی پیدائش پر دادی کے بقول زرنگار چچی کو سانپ سونگھ گیا۔ میں نے ..... سارے نقوش اپنے دادا سے چرائے تھے۔ شکل، صورت اور صحت میں بھی شجاع سے بہتر۔ ایسے میں چچی کی خاموشی جائز تھی۔ دو سال بعد شجاع کی بہن زرجبیں پیدا ہوئی جو بچپن ہی سے زرنگار چچی کی ڈپلی کیٹ ثابت ہوئی۔ انہی کے جیسی ضدی، اکھڑ اور بدتمیز۔

☆☆☆

سب انتظامات ہوگئے تھے اور اب یہاں سے روانگی باقی تھی۔ وہ اندر کہیں کسی کمرے میں گم تھی۔ بلانے کے لیے انہیں خود کمرا کمرا جھانکنا پڑا۔ وہ انہیں ڈیڈی کے کمرے میں ہی مل گئی۔ گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے، لٹی پٹی اور اجڑی، اجڑی۔ خودترسی کی انتہا کو چھوتی زار و زار روتی۔ ان کے دل کا بوجھ مزید بڑھ گیا۔ وہ نہ جانے کتنی دیر سے یہاں تھے اور انہیں وہ مسلسل روتی ہی نظر آئی۔ ایک پل کے لیے بھی اس کی آنکھیں خشک نہیں ہوئی تھیں۔ وہ آنے کے ساتھ ہی الگ مصروفیت میں گھر گئے تھے۔ اس کی طرف وہ توجہ نہیں دی جو دوست کو دے رہے تھے اور اب جب دھیان اس کی طرف کیا تو جیسے دل سکڑ کر رہ گیا۔ اندازہ لگانے میں دقت نہیں ہوئی کہ وہ اپنی قیمتی متاع کھو چکی تھی۔

ڈیڈی کبھی نہ آنے کے لیے چلے گئے تھے۔

"خوشی بیٹا۔" اس کے سر پر ہاتھ رکھے وہ جیسے الفاظ تولنے لگے۔ آج نہ دلاسے کام آنے تھے، نہ ہمدردی۔ آج وہ گریہ کرنے میں حق بجانب تھی اور نڈھال تو وہ خود بھی بہت ہو رہے تھے۔ بے حسی .....

بے نیازی کا جو خول وہ اپنے گرد تانے رکھتے تھے اس میں آج دراڑیں پڑ ہی گئیں۔ ایک عرصے سے انہوں نے اَن چاہی زندگی جی تھی اس زندگی کا حساب کتاب کرنے کا وقت آیا تو جیسے مہلت گزر گئی۔

"وقت بہت ہوگیا۔" وہ دھند آلود نظروں سے انہیں دیکھے گئی۔ وہ جو اجنبی سے شناسا ہو چکے تھے۔

"نہیں..... وقت تو ٹھہر گیا ہے۔" اس کی آنکھیں پھر سے بھیگنے لگیں۔ دل چاہا دہاڑیں مار مار کر روئے۔

"آپ اپنی چھوٹی موٹی چیزیں سمیٹ لیں۔ باقی سامان بعد میں اٹھوا لیں گے، دیر ہو رہی ہے۔" وہ اس سے نظریں چرا کر یہ سب کہتے ہوئے باہر چلے گئے۔

اس کی زندگی میں خزاں آگئی تھی۔ سُبک خرام شب و روز قیامت کی نذر ہوگئے تھے۔ یقیناً زندگی اسے ہی کہتے ہیں۔ دکھ اور سکھ کا سنگم مگر اس کی تو جیسے دنیا ہی لٹ گئی تھی۔ وہ بے سائباں ہو چکی تھی۔

"خوش بخت خان..... آپ کو....." اپنی ذاتی اور ضروری چیزیں سمیٹتے مخصوص جملے کی بازگشت خالی دماغ پر ہتھوڑا بن کر برسی۔ وہ منہ پر ہاتھ رکھتی گھٹی، گھٹی سسکیاں بھرتی فرش پر بیٹھتی چلی گئی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ رہی ہو اور ابھی ڈیڈی کی پُرشفقت آواز اس کے سوئے ہوئے دماغ کو جھنجوڑنے کا باعث بنے گی۔

"خوش بخت بیٹے، نماز ٹائم..... گیٹ اپ ہنی شاباش۔" یا پھر نماز کے بعد وہ جب دوبارہ سو جاتی تب۔

"لگتا ہے آج فاقہ کرنا پڑے گا۔ نو ناشتا..... نو چائے۔" وہ سیکنڈوں میں بستر چھوڑ دیتی اور اب وہ آواز ہی نہیں..... وہ خود بھی خواب ہوگئے تھے۔

"چلیں بیٹا۔" وہ شاید باہر جانا بھول بیٹھی تھی۔ انہیں پھر سے آنا پڑا۔ وہ آنکھیں رگڑتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ ان کی ہمراہی میں صحن عبور کرتے ہوئے گویا قدم چلنے سے انکاری ہوگئے۔ ابھی عرصہ ہی کتنا ہوا تھا یہاں آئے۔ کل کی بات لگتی تھی جب وہ ڈیڈی

کے سامنے منہ بسور، بسور کر اس گھر میں نقص نکال رہی تھی اور اب اسی گھر کو چھوڑتے ہوئے دل بیٹھا جا رہا تھا۔ ایسا تو اپنا پہلا گھر چھوڑتے ہوئے بھی نہیں ہوا تھا۔ شاید اس لیے کہ تب ڈیڈی ساتھ تھے اور اب وہ نہیں تھے۔

اس گھر کو ڈیڈی نے اپنے ہاتھوں سے محبت سے سجایا تھا۔ اس کے کونے، کونے پر اُن کی توجہ و محبت کے نقش ثبت تھے۔ وہ اسے چھوڑتے ہوئے جتنی بھی آزردہ ہوتی کم تھا۔

گیٹ پر زبیر بھی موجود تھا۔ وہ شام سے ہی یہیں تھا۔ زبیر نے گیٹ کو تالا لگا کر جب چابی اس کے حوالے کی تو وہ جگہ اور وقت کا لحاظ کیے بغیر زور، زور سے رونے لگی تھی۔ ایسے میں زبیر کے ہی نہیں اس کے ہاتھ کو مضبوطی سے اپنے ہاتھ میں جکڑے بابا کے بھی آنسو نکل آئے۔

"ہم آتے جاتے رہیں گے یہاں انشاءُ اللہ ....اور یہ لڑکا ہے ناں گھر کا خیال رکھے گا۔" وہ اس کا ہاتھ سہلاتے رہے۔

"جی..... جی خان جی۔" زبیر بے حد عقیدت سے بولا تھا۔ خوشی کی عزت وہ پہلے بھی کرتا تھا۔ آج یہ جان لینے کے بعد کہ اس کا حوالہ سامنے کھڑی ہستی سے جا ملتا ہے وہ باقاعدہ رعب میں آیا کھڑا تھا۔

ہر مشکل ہر ضرورت کے وقت دستیاب ہو جانے والا زبیر آج بھی کام آگیا۔ سرِشام جب ڈیڈی کی طبیعت خراب ہوئی۔ وہ گھن گرج مچاتے بادلوں اور برستی بارش کی پروا کیے بغیر زبیر کے گھر بھاگی تھی۔ زبیر فوراً ساتھ ہو لیا مگر اس کی یہ نیکی کام نہ آئی۔ ڈاکٹر مسرور اتوار کے اتوار اس گاؤں آیا کرتے تھے اور آج اتوار نہیں تھا اور شہر جانے کے لیے گاڑی چاہیے تھی۔ جس کا انتظام کرنے سے

میرے نسوانی حسن کا راز
بلوسم بریسٹ ڈولپنگ اینڈ ٹائیٹنگ کریم (ہربل)
چھوٹی بریسٹ میں اضافہ کر کے بریسٹ کی نشوونما کو مکمل کرتی ہے
بریسٹ کی نرمی کو دور کر کے سختی لاتی ہے۔ بریسٹ کو سڈول اور خوبصورت بناتی ہے۔
Rs.250/=
قیمت =150/
چہرے کے فاضل بالوں کو ہمیشہ کیلئے ختم کرتی ہے۔
یونانی کریم
گلیسی
051-5502903-5533528
042-7666264
Cell: 0333-5203553, Website: wwwdevapk.com

SCANNED BY FAMOUSURDUNOVELS

WWW.PAKSOCIETY.COM

زیادہ ضروری تھا خوشی کا مستقبل محفوظ کرنا۔ ڈیڈی کی ضد پتھر پر لکیر ثابت ہوئی۔ ٹیلی فون ڈائریکٹری میں موجود جس نمبر کو مارک کر کے وہ روزانہ اس پر انگلی پھیر، پھیر کر نہ جانے کیا محسوس کرتے تھے، آج اسے ڈائل بھی کرلیا تھا۔

دفعتاً ہارن کی تیز آواز نے اس کے حواس جگائے۔ کیچڑ ہونے کی وجہ سے شاہجہاں کی پولیس موبائل عین ان کے سر پر آ کھڑی ہوئی تھی۔ اس درجہ نزدیک ہونے کے باوجود بھی یوں ہارن بجا کر انہیں متوجہ کرنا اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ وہ تنگ آچکا ہے۔ خوشی نے عقبی سیٹ کی طرف قدم بڑھائے تھے۔ جہاں ڈرائیونگ سیٹ سنبھالے شاہجہاں کی نظریں ونڈ اسکرین تو فرنٹ سیٹ پر ہونٹ بھینچے بیٹھے بابر کی نظریں مرر میں نظر آتے خوش بخت کے عکس پر تھیں۔

☆☆☆

اس کے روئے، مرجھائے، ہوش ربا چہرے پر جب، جب نگاہ پڑتی بابر کی آنکھوں میں مرچیں بھر جاتیں۔ دل کرتا اسی کی طرح وہ بھی دہاڑیں مار مار کر روئے حالانکہ اس وقت اسے خود پر ہنسنا چاہیے تھا۔

''تو شاہجہاں صاحب...... انجانے میں ہی سہی آپ نے ایک بار پھر میدان مار لیا۔'' اور یہ نئی بات نہیں تھی۔ شاہجہاں ہمیشہ اسے مات دیتا آیا تھا۔ ایسا اس زمانے سے ہوتا آیا تھا۔ وہ جب سارا سال کتابوں میں منہ دیے رہتا اور جب رزلٹ نکلتا۔ شاہجہاں ٹاپ پر ہوتا۔

''کیوں...... کیسے؟'' کی رٹ لگا میں پکڑتا وہ کئی کئی دن تک کُلستا رہتا پر جب عملی زندگی میں قدم رکھنے کے دن آئے تب بھی شاہجہاں سرخرو رہا۔ انٹرویو میں بابر ناکام رہا حالانکہ پھپھو جیسے لٹھ لے کر بابا کے پیچھے پڑ گئی تھیں۔

''دنیا میں لوگ کیا کچھ نہیں کر رہے۔ تم ایک سفارش نہیں کروا سکتے۔'' مگر بابا نے ایک چپ سو سکھ والی بات پر عمل کر رکھا تھا۔ نہ بیٹے کی اور نہ بھانجے کی۔ انہوں نے سفارش کا مزہ دونوں سے دور رکھا۔

''آج ایک جگہ سفارش کروں گا کل کو دس جگہ اور کرنی پڑے گی۔ غلط سوچ پروان مت چڑھاؤ ان میں۔ اپنے بل بوتے پر آگے بڑھنے دو۔'' ان کے دوٹوک انکار نے پھپھو کو کئی دن تک بے سکون رکھا تھا۔

''اور آج ایک بار پھر......'' شاہجہاں کی طرف دیکھا تو بابر کا تازہ، تازہ زخم رِسنے لگا۔

شام میں جب وہ دوستوں کے ساتھ ہلا گلا کرنے کے خیال سے جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ بابا نے پیغام بھجوایا۔

''فوراً میرے پاس آؤ۔'' اس پر کوفت حملہ آور ہوئی تھی۔

''اولڈ مین کو بھی سکون نہیں۔'' وہ بے دلی سے باہر نکلا تو بابا ہال کمرے میں ہی مل گئے۔

''گاڑی نکالو ہمیں جانا ہے کہیں۔'' وہ پوچھنا چاہتا تھا۔

''اس بارش میں؟'' مگر بابا کے چہرے پر کچھ ایسے بر فیلے تاثرات تھے کہ وہ جی ماموں کہتا حکم کی تعمیل کے لیے دوڑ پڑا۔ سارا راستہ پوچھنے کے لیے ہمت جمع کی۔ ''جا کہاں رہے ہیں؟'' مگر ماموں کی کرخت سنجیدگی آڑے آتی رہی۔

''تیز چلاؤ...... اور تیز۔'' اس شدید بارش میں ایسا حکم... بابر کا تجسس آسمان تک جا پہنچا۔ عام روٹین میں جن کے ساتھ ڈرائیونگ امتحان بن جایا کرتی کہ وہ کچھوے کی رفتار سے گاڑی چلواتے تھے۔ آج پتا نہیں کیا کھائے بیٹھے تھے۔ راستہ انجان اور منزل حیران کن۔

جس کچی اینٹوں کے مکان میں وہ دونوں... بے تکلف داخل ہوئے۔ وہاں بستر پر موجود کمزور دبیمار وجود کو اور ان کی پائنتی سے لگی اس ماہ جبیں کو دیکھ کر وہ ساکت ہو گیا۔ تمنا پوری ہوئی تھی پھر بڑا جذباتی ملن کا سین ہوا۔

''دونوں اولڈ بابے آپس میں کیا ہیں؟ کب کے بچھڑے ہیں اور کیا باتیں کر رہے ہیں؟'' اس سب سے بے نیاز بابر بلّیوں اچھلتے دل کو سنبھالتا اسے دیکھتا رہا بس۔

''بابر، اس لڑکے کو لے جاؤ اور قاری مبشر کو بلاؤ۔''

''جی ہ'' قطعی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا قصہ ہے۔

''فوراً جاؤ اور فوراً آؤ...... میرا کہنا کہ بلا رہے ہیں۔'' بابا اپنا حکم سنا کر خوشی کے ڈیڈی کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

''اوہ۔'' تھی تو یہ بڑی غلط حرکت مگر بابر کا دل یہیں بھنگڑا ڈالنے کو کرنے لگا اور کچھ نہیں تو خوشی کے قریب المرگ ڈیڈی کا منہ چومنے کی منہ زور خواہش نے سر اٹھایا کہ جن کی مہربانی سے فلمی سین ہونے جارہا تھا۔

دل کو بہ مشکل قابو کرتا بابر، زبیر کے ہمراہ طوفانی بنیادوں پر قاری مبشر کو لے آیا۔ بابا موبائل کان سے لگائے باہر برآمدے میں ٹہل رہے تھے۔ چہرے کا رنگ اُڑا ہوا تھا۔ قاری سے سلام دعا کے بعد اس سے بولے۔

''میرا نیٹ ورک خراب جارہا ہے، اپنا فون دو۔'' وہ اب بھی نہیں سمجھا کہ کیا قصہ ہے اور جب انہوں نے شاہجہاں کو سخت ترین لہجے میں جیسے اور ابھی آجانے کا کہا تو وہ تب بھی لاعلم رہا۔ وہ تو جب شاہجہاں کے آتے ہی قاری مبشر ہوشیار ہو گئے۔ تب سین سمجھ میں آیا مگر تب بہت دیر ہو چکی تھی۔ اس کی نظروں کے سامنے دنیا جہان کی کرختگی، نفرت، بیزاری منہ پر سجائے شاہجہاں کا نکاح روتی دھوتی، نڈھال خوش بخت سے ہو گیا تھا۔

☆☆☆

''یہ کون ہے؟'' نہایت تیزی کے ساتھ اپنے کمرے میں جاتے بابر پر اچٹتی نظر ڈالنے کی بعد دادی نے حیرانی دکھائی...... جبکہ سوال پھپھو کی زبان سے برآمد ہوا۔ ان کی چھٹی حس لال سگنل دینے لگی تھی۔ پہلے شاہجہاں کی پولیس موبائل کے ہارن نے چونکایا تھا۔

''اللہ خیر...... ابھی تو یہ گیا تھا۔'' دونوں ماں، بیٹی ہولتی ہوئی لاؤنج تک آئیں۔ جہاں کا منظر الگ ہی نوعیت کا تھا۔

''یہ......'' بابا نے سمٹی سمٹائی خوش بخت کو نظر بھر کر دیکھا۔ ''خوش بخت ہے۔'' اس ایک جواب سے کہاں تسلی ہونی تھی۔

''اچھا...... پر ہے کون؟'' پھپھو کی آنکھیں اُسی پر ٹکی تھیں۔ نہ جانے کیوں اس پر کسی بھولے بسرے چہرے کا گمان ہو رہا تھا۔

''میری بہو۔'' شاید یہی بہت جامع تعارف تھا۔ پھپھو اور دادی کو لگا انہیں سننے میں غلطی ہوئی ہے۔

''شاہجہاں کی بیوی!'' بابر کی بیوی بھی ان کی بہو کہلاتی تھی۔ سو کسی کو مغالطہ نہ رہے انہوں نے خوشی اور اپنے رشتے کو مزید تقویت دی۔ پھپھو کا دل ڈوبنے لگا۔

''یہ کیسے...... ہم...... مطلب تم سچ کہہ رہے ہو؟ یہ اتنی بڑی بات...... شاہجہاں تو آج ملتان گیا تھا۔''

''میں نے اسے واپس بلوالیا، نکاح کے لیے۔'' اب کے دادی صوفے پر گر سی گئیں۔ پھپھو کا الگ برا حال تھا۔

''کیوں...... کون ہے یہ؟ ایسی کون سی آفت ٹوٹ پڑی تھی۔ ہائے میری جان نکل رہی ہے۔'' اور وہ جو قدرے خوش گمان ہو رہے تھے کہ خوشی کو ہاتھوں ہاتھ لیا جائے گا۔ یہ ردِعمل دیکھ کر سپاٹ سے ہو گئے۔

''آپ دونوں نے جو سنا صحیح سنا، خوشی میری بہو ہے۔ اس کا ابھی کچھ دیر پہلے میں نے اپنی موجودگی میں شاہجہاں سے نکاح کروایا ہے۔ کسی کو معترض ہونے کی ضرورت نہیں۔ خوشی اس وقت توجہ

SCANNED BY FAMOUSURDUNOVELS
www.paksociety.com
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

اور محبت کی......" اور یہ پہلی بار ہوا تھا ان کی بات نہیں سنی گئی۔ پھپو اور دادی شدید ناراضی کا ثبوت دیتی ان کی بات مکمل ہونے بغیر وہاں سے ہٹ گئیں۔ بابا مارے استعجاب کے کتنی دیر ساکت کھڑے رہے۔

"آجاؤ بیٹا، آپ کو کمرے تک چھوڑ آؤں۔" پھر گہری سانس لیتے خوشی سے بولے۔ جو اپنے غم میں اس قدر رنڈھال ہوئی کھڑی تھی کہ دادی اور پھپو کے اس شاندار استقبال کی طرف توجہ ہی نہ دی۔ اپنے بھاری ہوتے سر کے ساتھ وہ کھڑی بھی بہ مشکل تھی، سنتی کیا خاک۔

☆☆☆

"how dare you to come in my room?" کوئی اس کے عین سر پر آکر نہ صرف غرایا بلکہ بڑی بے دردی سے جھنجوڑ کر اٹھا بھی دیا۔ وہ جو کمرے میں آنے کے بعد متواتر روتے، روتے انہی چند لمحوں کے لیے غنودگی میں چلی گئی تھی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ وہ جو کوئی بھی تھا آنکھوں میں قہر بھرے اسے نکل جانے کو آیا کھڑا تھا۔ سُن ہوتے دماغ کے ساتھ اسے یہ سوچتے ہوئے بھی کچھ وقت لگا کہ وہ ہے کہاں؟

"اٹھو یہاں سے اور دفع ہو جاؤ۔" بدتمیزی کی انتہا تھی... خوشی ہونقوں کی طرح اسے دیکھے گئی۔ "میں کیا بکواس کر رہا ہوں، سنائی نہیں دے رہا؟ ابھی اور اسی وقت میرے کمرے سے نکل جاؤ۔" اس نے کہا ہی نہیں خوشی کو بازو سے پکڑ کر بیڈ سے گھسیٹ بھی لیا۔ خوشی کے لیے نئی مصیبت کھڑی ہوگئی تھی۔

"بہت بڑی حویلی ہے میرے باپ کی، تمہیں کہیں بھی جگہ مل جائے گی مگر میرے کمرے میں نہیں۔" وہ شاید فطرتاً سنگ دل تھا۔ اپنے رحم و کرم پر کھڑی مظلوم لڑکی پر قہر برساتا ذرا بھی نہ ڈگمگایا۔

"مم...... میں...... کیسے؟" خوشی کے آنسو بہہ نکلے۔ یوں منہ اٹھا کر وہ کیسے کسی دوسرے کمرے میں جا سکتی تھی جبکہ ابھی آئے کچھ ہی گھنٹے ہوئے تھے۔ ابھی تو حویلی کے راستے ہی نہیں مکین بھی اس کے لیے اجنبی تھے۔

"باپ کو مرے رات نہیں گزری اور لمبی تان کر سو گئیں۔" وہ بڑبڑایا تھا۔

"جج...... جی۔" خوشی سمجھ نہ سکی کیا کہا گیا ہے۔

"یتیموں کا والی میرے باپ کو بننے کا شوق ہے، مجھے نہیں۔ بے شک میں نے تم سے نکاح کرلیا لیکن مجھ سے کسی قسم کی بھی امید مت رکھنا کیونکہ میں ہر اُس انسان سے نفرت کرتا ہوں جو میرے بابا کی گڈ بک میں ہوتے ہیں۔" بڑی بدلحاظی و بدتہذیبی کا مظاہرہ کرتا وہ اسے بازو سے پکڑ کر دروازے کی طرف دھکیلنے لگا۔

"بات سنیں...... پلیز ویٹ...... میں......" وہ بوکھلاتی، گھبراتی کہتی رہ گئی مگر شاہجہاں نے اسے کمرے سے نکال کر دروازہ بند کرلیا۔

"سنیں...... پلیز میں کدھر جاؤں؟" وہ رونکھی ہوئی۔ دروازہ بجاتی رہی۔ "پلیز اوپن دا ڈور...... میری بات تو سن لیں...... پلیز......" مگر بےحسی...... میں وہ شاید بابا سے دس قدم آگے تھا۔ کان لپیٹے پڑا رہا اور کوئی جاگ نہ جائے وہ اس ڈر سے دروازہ بھی ہلکی آواز میں بجا رہی تھی۔

"ok just do me a favour to guide me to another room please." کوئی اور ہوتی تو شاہجہاں پر لعنت بھیجتی اب تک جا چکی ہوتی مگر ایک تو وہ فطرتاً بہت زیادہ معصوم اور ڈرپوک تھی۔ برے رویّوں سے اس کا بھی پالا نہیں پڑا تھا کہ ردِعمل دکھاتی اور دوسرے اس وقت اسے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیوں کمرا بدر کی گئی ہے۔

کافی دیر بعد جب شاہجہاں کو محسوس ہوا آوازیں...... آنا بند ہو گئی ہیں۔ کسی بھی ہمدردی یا خدا ترسی کو دل میں جگہ دیے بغیر وہ اٹھ بیٹھا۔ وہ ایک بار پھر ڈسٹرب ہوا تھا۔

"اگین...... اگین بابا نے اپنی مرضی کی...... میری خواہش، میری مرضی میرا کچھ بھی ان کے نزدیک کچھ نہیں۔ مجھے بے وقوف بنالیا۔ میری زندگی مذاق بناڈالی۔" پھٹتے ہوئے دماغ کے ساتھ وہ وہی کچھ سوچے گیا۔ جو ابھی سڑکیں ناپتے سوچتا آیا تھا۔ عجیب بات تھی۔ بابا کے مزاج سے اس درجہ واقفیت کے باوجود بھی وہ بڑی آسانی سے ان کے دام میں تب تب آپھنستا جب، جب وہ جذباتی طور پر گھات لگاتے۔ آج بھی یہی ہوا۔

وہ جب ملتان پہنچا تھا وہاں بارش برس رہی تھی۔ اپنی سرکاری رہائش گاہ اسے دو دنوں کے بعد آنے پر کسی جنت سے کم نہیں لگ رہی تھی۔ وہ شاید دنیا کا واحد انسان تھا جسے چھٹیاں بری لگتی تھیں۔ چھٹیوں میں اپنے گھر جانا برا لگتا تھا۔ وہاں دادی کی توجہ، پھپو اور نوریا کا دورُخا پیار اور بابا کا سرد رویہ...... وہ ایک دن میں اوب جاتا۔ باقی کے دن انتہائی غیر دلچسپی سے گزار کر فوراً واپسی کی راہ لیتا۔ ان دنوں وہ ملتان میں ہوتا تھا جو اس کے گاؤں سے چار سے پانچ گھنٹے کے فاصلے پر واقع تھا۔

شدید بارش، سردی اور سفر کی تکان کچھ بھی سوچے بنا آج آتے ہی موبائل ساکٹ پر لگائے سونے ہی لگا تھا کہ جب مجید کارڈلیس اٹھا لیا۔

"آپ کے گھر سے فون ہے؟" شاہجہاں پر شدید ناگواری چھائی تھی، دوسری طرف بابا تھے۔

"تم فوراً واپس آؤ۔" اس کے السلام علیکم پر انہوں نے واپس آسکتے ہو کہہ کر پوچھنا بھی ضروری نہیں سمجھا صرف حکم صادر کیا۔ شاہجہاں کے خون میں ابال آیا تھا سن کر۔

"ابھی......؟" غصہ دبا کر اس نے حیرت کا اظہار کیا۔

"ہاں ابھی۔"

"مگر میں ابھی تو یہاں پہنچا ہوں۔"

"جانتا ہوں۔" ان کے لہجے میں محسوس کی جانے والی سنجیدگی تھی۔ "جلدی پہنچنے کی کوشش کرو۔ باقی بات بعد میں بتاؤں گا۔" وہ پھر سے پھنس گیا۔ نہایت بے دلی سے چار گھنٹوں کا سفر طوفانی رفتار سے طے کرتا جب بابا کے بتائے پتے پر پہنچا تو بارش یہاں بھی جوبن پر تھی اور اسی حساب سے اس کی تھکن بھی۔ وہیں اسے کسی کی زندگی کے لیے قربان ہونا پڑا تھا۔

"اب خوش؟" نکاح کے بعد بابا نے بسترِ مرگ پر لیٹے اس انسان سے کہا تھا جس کی جھلملاتی آنکھوں میں اطمینان ہی نہیں شاہجہاں کے لیے بیش بہا پیار بھی امڈ رہا تھا۔ جو اس کا ہاتھ کئی بار اپنے ہونٹوں سے لگا چکے تھے مگر وہ کیا کرتا۔ یہ زندگی تھی فلم کا سین نہیں مگر اس کی زندگی کا اہم فیصلہ فلم کے سین جیسا ہی ہوا تھا۔

☆☆☆

"ارے۔" اپنے کمرے سے باہر نکلتے بابر کو جھٹکا لگا تھا۔ خوشی، شاہجہاں کے کمرے کے باہر ادھ موئی ہوئی بیٹھی تھی۔ اس کا حال کمرے کے اندر کا حال بیان کر رہا تھا۔

"آ...... آپ یہاں باہر؟" جس کام کے لیے وہ جا رہا تھا اسے فراموش کیے وہ ایک جست میں اس تک پہنچا۔ جس نے چہرے پر ہاتھ پھیر کر آنسوؤں کا نام و نشان مٹانا چاہا تھا۔ "آپ یہاں کیوں کھڑی ہیں؟ آئیں اندر چلیں۔"

"نن...... نہیں...... نہیں۔" وہ بری طرح سے بدکی تھی۔ بابر الجھ کر اسے دیکھنے لگا۔

"آپ کو شاہجہاں نے باہر نکالا ہے؟" وہ بے یقینی سے پوچھنے لگا۔ خوشی کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

"مائی گاڈ۔" بابر نے پیشانی مسلی۔ "جانور ہے یہ تو۔" بڑبڑاہٹ ایسی تھی کہ خوشی نے بہ آسانی

SCANNED BY FAMOUSURDUNOVELS
www.paksociety.com
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

سن لی۔ ”انسانیت نام کو نہیں ہے اس میں...... ہے ناں وہی خردماغ پولیس والا۔ آئیں، آپ میرے ساتھ آئیں...... آئیں پلیز۔“

”کک...... کہاں؟“ وہ گھبرا گئی۔ کہیں اور چلے جانے سے بہتر اسے یہاں کھڑے رہنا بہتر لگ رہا تھا۔ بابا اسے اس کمرے میں چھوڑ گئے تھے۔ وہ اسے دیکھنے کے لیے آتے تو کم از کم وہ انہیں اس کمرے کی حدود میں ہی مل سکتی تھی۔

”گھبرائیں مت، اغوا نہیں ہو رہیں آپ۔ آپ تھکی ہوئی ہیں ریسٹ کرلیں۔ یہاں کھڑے رہنا مناسب نہیں۔ ویسے تو کیا ہی اچھا ہو اگر ماموں آپ کو یہاں دیکھ لیں پھر اس لاٹ صاحب کی شامت آپ دیکھیے گا۔“

”نہ...... نہیں۔“ وہ کہاں عادی تھی ایسے مناظر دیکھنے کی...نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ ”آپ مجھے دوسرے بیڈروم میں لے جائیں۔“ گھومتا ہوا سراب یہاں بغیر قصور کے سزا بھگتنے کے حق میں نہیں تھا۔

”آئیں۔“ بابر کی سرکردگی میں وہ نئی پناہ گاہ میں آگئی۔

”کوئی ضرورت، کوئی کام...... کچھ بھی ہو تو آپ......“

”نہیں پلیز، مجھے بس سونا ہے ابھی۔“ صرف تنہائی کی خواہش ہو رہی تھی۔ اس نے بابر کی بات پر کان بھی نہیں دھرا۔ وہ سر ہلاتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

اگلی صبح وہ واپسی کی تیاریوں میں لگا ہوا تھا۔ بابا کمرے میں آگئے۔

”تم نے خوش بخت کو کمرے سے نکال دیا؟“ حیرت تھی انہوں نے گوشمالی کے لیے صبح تک کا انتظار کیا۔ وہ توقع کر رہا تھا اِدھر خوش بخت کمرے سے باہر جائے گی اُدھر لعن طعن کرتے بابا اس کے کمرے میں آموجود ہوں گے۔

”آپ جانتے ہیں مجھے کمرے میں کسی کی موجودگی گوارا نہیں۔“ بابا نے بہ مشکل غصہ دبایا۔

”تم اور تمہارے اعتراضات...... وہ تمہاری بیوی ہے۔“

”میں اس شادی کو نہیں مانتا۔“

”کیوں؟“ مگر اس نے جواب دینا ضروری نہیں سمجھا۔

”میں کچھ پوچھ رہا ہوں تم سے؟“ بابا بالآخر بھڑک اٹھے۔

”شادیاں ایسے نہیں ہوا کرتیں۔“ اس کے بابا سے اختلافات اپنی جگہ لیکن وہ یوں آمنے سامنے بابا کے فیصلوں کی تحقیر نہیں کرسکتا تھا۔

”تم جانتے ہو سچوئیشن کیا تھی؟ خوشی کے ڈیڈی کے پاس مہلت کے چند لمحے تھے۔ انہیں اپنی بیٹی کا مستقبل محفوظ کرنے کی خواہش تھی۔“

”اس کے لیے آپ نے مجھے پیش کردیا؟“ اس کے لہجے میں ناراضی ہی نہیں شکایت بھی تھی۔

”میں نے اس کے ڈیڈی سے وعدہ کرلیا تھا۔“

”مگر میں نے ایسا کوئی وعدہ نہیں کیا تھا۔ نہ اپنے باپ سے اور نہ اس کے باپ سے۔“ اس کی ہٹ دھرمی عود آئی۔

”تو اب تم کیا چاہتے ہو؟“

”تنہائی۔“ اس بدتمیزی پر بابا کا بس نہیں چلا تھپڑ کھینچ ماریں۔

”ایک نیک، شریف لڑکی اتنی آسانی سے تمہیں مل گئی۔ تمہیں اس کی قدر کرنی چاہیے۔“ بڑی طنزیہ سی مسکراہٹ اس کے چہرے پر جمی تھی۔

”آپ اپنے ہر الٹے کام کو ہمیشہ سیدھا کہنے پر کیوں بضد رہتے ہیں؟“

”شاہجہاں...... تم حد سے بڑھ رہے ہو۔“

”وہ بھی صرف آپ کی وجہ سے۔“ وہ دوبدو بولا۔ بابا کی برداشت ختم ہوگئی۔

”میرا قصور یہ ہے کہ تم اس گھر میں پیدا ہوئے جہاں تمہیں دنیا کے تمام عیش و آرام ملے......“

”یہی تو مسئلہ ہے کہ آپ جانتے ہی نہیں آپ نے کیا، کیا ہے۔“ اس کا لہجہ طنزیہ تھا۔

”نہیں، تم بتادو میں نے کیا، کیا؟ وہ قصور، وہ گناہ جس کی وجہ سے تم باپ کو باپ نہیں سمجھتے۔ ہمیشہ لاتعلقی دکھائی۔“

”لاتعلقی...... اور میں نے؟“ اس کی آنکھوں میں جیتے ہر دن کا درد آن بسا۔ ”لاتعلقی کیا ہوتی ہے بابا...... آپ میری ماں سے پوچھیں۔ آپ کی...... بے توجہی، آپ کی اجنبیت وقت سے پہلے اسے مار گئی۔ لاتعلقی کیا ہوتی...... آپ مجھ سے پوچھیں۔ جسے چھوٹی سی عمر میں ماں اور گھر سے دور کرکے آپ نے بورڈنگ میں ڈال دیا اور آپ بات کر رہے ہیں لاتعلقی کی؟“ بابا کے چہرے پر شکستگی کے آثار تھے مگر وہ تلخی سے کہتا چلا گیا۔

”تم خوشی کو ساتھ لے جاؤ۔“ اس کا برسنا جیسے ضائع ہوگیا...... بابا نے یہ کہہ کر جیسے اسے حیران کردیا۔

”آپ مذاق کر رہے ہیں؟“ وہ گویا بڑا لطف اندوز ہوا۔

”اسے تمہارے ساتھ رہنا چاہیے۔“ ان کا لہجہ ٹھوس تھا۔ شاہجہاں نے سر جھٹک کر گویا اس حکم نامے کا اثر زائل کیا اور ایک طرف سے ہو کر آگے بڑھنے لگا جب ان کی آواز آئی۔

”تم خوشی کے ساتھ وہی کرنے جارہے ہو......“ وہ پل بھر کے لیے رکے۔ ”جو میں نے تمہاری ماں کے ساتھ کیا تھا۔“ اس نے بے ساختہ مٹھیاں بھینچی تھیں۔ خوش بخت کے ہی طفیل وہ اپنا قصور قبول کرچکے تھے مگر اب دیر ہوچکی تھی۔ وہ کمرے سے نکل گیا۔ بابا محض اس کی پشت تکتے رہ گئے۔

☆☆☆

تمام راستہ ذہن پر اذیت و اضطراب کا قبضہ رہا۔ بابا نے کہا تھا۔

”عیش و آرام......“ اس کے دماغ میں بھرا دھواں آنکھوں تک کا سفر کرگیا۔ اسے ونڈ اسکرین تک دھندلی نظر آنے لگی۔

”عیش و آرام، سکھ اور سکون کا نعم البدل کب ہوئے ہیں؟“ بابا اور خوشی پورے راستے دماغ پر حاوی رہے۔ بابا نے کہا وہ خوشی کے ساتھ وہی سلوک کرنے جارہا ہے جو انہوں نے اس کی ماں کے ساتھ کیا اور وہ سوچ رہا تھا شاید وہ اس سے زیادہ کرجائے۔

☆☆☆

ابھی شاہجہاں کو گئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ دادی اور پھپھو آگئیں۔ بابا نے ایک گہری سانس لے کر خود کو ان کی طرف سے ہونے والی بمباری کے لیے تیار کیا۔

”مبارک ہو۔“ دادی نے ابتدا کی۔ ”ایک پرائی لڑکی کی خاطر بیٹے کو بھی ناراض کرلیا۔“

”اماں!“

”ہاں بولو...... ہم ہیں قصوروار، ہم ہیں گناہ گار کہہ دو انسانیت کے سبق صرف تمہیں یاد ہیں۔ اس دنیا میں اکلوتے تم ہی خدا ترس ہو مگر انسانیت صرف یہیں ختم نہیں ہوتی۔ خود سے جڑے رشتوں کی پروا بھی انسانیت کہلاتی ہے بلکہ وہ پہلے ہیں......“

”ہمارے نصیب...... سبھی یتیم ہم سے ٹکراتے ہیں۔ جیسے ہم نے ٹھیکا لے رکھا ہو یتیموں کا۔“

”وہ بھی صرف بہویں بنانے کے لیے۔“ پھپھو کے اس طنز نے بابا کے ملال میں اشتعال بھی جمع کردیا۔ وہ ہونٹ بھینچے شدید ناراضی کے ساتھ پھپھو کو دیکھنے لگے۔

”تم جانتے ہو...... نویرا ٹھیک نہیں ہے۔“ ان پر نظریں جمائے پھپھو اصل مدعے پر آئیں۔

”کیا ہوا ہے اسے؟“ ان کی تشویش بے ساختہ تھی۔

SCANNED BY FAMOUSURDUNOVELS

www.paksociety.com
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"اعتبار ٹوٹا ہے اس کا۔" پھپو کا لہجہ زہر خند تھا۔ وہ ناسمجھی سے انہیں دیکھنے لگے۔

"ایک انجان لڑکی کو بہو بنا لائے۔ ہم سے تو پوچھا ہوتا۔ ہماری مرضی، ہماری خوشی کچھ تو معلوم کیا ہوتا...... ہم نے پالا ہے شاہجہاں کو۔ حق بنتا ہے ہمارا اس پر۔" دادی رونے لگی تھیں۔ خالص جذباتی ہتھیار جسے استعمال کرتے ہوئے وہ یہ بھی بھول گئیں کہ اس کی پرورش کا حق تو اس کی ماں کو بھی نہیں ملا تھا۔

"میں آپ کے سارے حقوق سے آگاہ ہوں لیکن حالات ایسے ہوگئے کہ مجھے یہ کرنا پڑا ورنہ میرے نزدیک یہ خالصتاً شاہجہاں کی اپنی مرضی کا کام تھا وہ خود کرتا۔" پھپو نے بڑا تمسخرانہ سا ہنکارا ابھرا تھا۔

"جب بات اپنوں کے فائدے کی آئی تم نے ہاتھ جھاڑ لیے۔ شاہجہاں کے کندھوں پر بات ڈال دی۔"

"اماں آپ کہنا کیا چاہ رہی ہیں؟" خوشی کے ڈیڈی کی موت، اس کے بعد شاہجہاں کے رویے کی تکلیف... وہ پہلے ہی نڈھال ہو رہے تھے اوپر سے ان دونوں خواتین کے جذباتی شکوے۔

"ہم نے تم سے امیدیں لگائیں اور تم شاہجہاں کی مرضی کا بہانہ کرکے خاموش رہے۔" دادی کا رونا جاری تھا اور پھپو بھی کھل کر میدان میں اتر آئیں۔

"میں نے اپنی نویرا کے لیے اعلیٰ سے اعلیٰ رشتے ٹھکرائے، صرف اس آس پر کہ ماموں اس کے سر پر ہاتھ رکھے گا۔ اپنے بیٹے کے لیے اس کی سگی بھانجی کے علاوہ اور کسی کا کیوں سوچے گا۔" یہ واقعی انکشاف تھا۔ جس فیصلے کا حق وہ اپنے طور پر بیٹے کو سونپ چکے تھے۔ وہاں وہ اس کی نظروں میں معتبر بھی رہتے تو بہن اور ماں کے آگے معتوب ٹھہرتے مگر شومئی قسمت وہ اب بھی سب کے قصوروار بن گئے۔

"اماں بھی یہی چاہتی تھیں۔" اونچی، اونچی سسکیوں کے بیچ پھپو نے گویا دادی کو بھی ہمنوا بنانے کا عندیہ دیا۔

"اگر چاہتی تھی تو کون سا گناہ کرتی تھی۔ گھر کے رشتے ہوں تو ہر کوئی ایسا ہی چاہتا ہے پھر نویرا میں کمی کیا تھی جو ہم نہ سوچتے۔" اب دونوں خواتین منہ بھر کر یہ بھی نہیں کہہ سکتی تھیں کہ نویرا نے بھی جینا محال کر رکھا تھا۔ اٹھتے بیٹھتے وہ ماں ہی نہیں نانی سے بھی بڑی بے باکی سے یہی فرمائش داغتی۔

"آدھا تو بڈھا ہو چکا شاہجہاں، کب کریں گے شادی اور کچھ نہیں تو ماموں کے کان میں بات ہی ڈال دیں یا پھر منگنی تو ہو جانی چاہیے۔"

"ارے گھر کی بات ہے کیوں اتاؤلی ہوتی ہو، نہ شاہجہاں کہیں جا رہا ہے نہ تم...... اطمینان رکھو۔" اور کل اسی اطمینان کا جنازہ نکل گیا۔ نویرا نے ماں اور نانی دونوں پر چڑھائی کردی۔

"آپ دونوں کی وجہ سے ہوا ہے۔ کہتی تھیں سب ہو جائے گا، تسلی رکھو، گھر کی بات ہے، سب راضی ہیں۔ اب کیا ہوا؟" وہ بہت ہذیانی ہو رہی تھی پوری رات یہ غم منایا تھا۔

"یہ سب نصیب کی بات ہوتی ہے۔" بابا کا شکست خوردہ جملہ سب کی جان جلا گیا۔

☆☆☆

خوشی کو وہ فجر کی نماز کے وقت جیسا چھوڑ گئے تھے وہ اب بھی ویسی ہی ملی۔ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے۔ آلتی پالتی مارے بے آواز اور بے حد روتی ہوئی۔ نسیم سے ناشتے کی ٹرے لیے وہ اس کے پاس آکر بیٹھ گئے۔

"خوشی بیٹا، ایسے رونے سے جانے والے واپس آجاتے تو میں روز روتا۔" خوشی اس مہربان چہرے کو ڈبڈبائی آنکھوں سے دیکھنے لگی جس میں ڈیڈی کا چہرہ مدغم ہونے لگتا۔

"اچھی بات یہ ہوتی ہے جانے والے کو کوئی

تحائف دے کر رخصت کیا جائے تاکہ وہ آئندہ کے لیے ان کے کام بھی آئیں یعنی آپ کی دعائیں۔"

"انکل...... ڈیڈی مجھے اکیلا چھوڑ گئے۔" کوئی غم سا غم تھا۔ قیامت تھی جو آکر گزرنے کا نام بھی نہیں لے رہی تھی۔

"یہ تو پھر زیادتی ہوگئی۔ تمہارے ڈیڈی تمہیں میرے پاس چھوڑ گئے۔ مجھے اپنا سمجھ کر اور تم میرے ہوتے ہوئے خود کو اکیلا سمجھ رہی ہو...... وہاں ڈیڈی دیکھ کر خوش ہو رہے ہوں گے کہ یہاں خوشی کے پاس میں ہوں اور......" وہ اتنا کہہ کر ذرا دیر کو چپ ہوئے تھے۔ "اور شاہجہاں ہے۔" خوشی کے آنسو بہنا بند ہوگئے۔ توجہ بٹ گئی تھی۔

"اور سنو آج سے تم مجھے بابا کہو گی انکل نہیں، چلو اب ناشتا کرتے ہیں۔"

"میں...... میرا دل نہیں۔" اسے ذرا بھی بھوک محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

"ارے دل کو مارو گولی۔" انہوں نے بات کاٹ کر قدرے مصنوعی ناراضی دکھائی۔ "کھانا معدے میں جاتا ہوتا ہے دل میں نہیں اور معدہ کہہ رہا ہے ناشتا......" وہ یوں بول رہے تھے جیسے برسوں کی شناسائی ہو۔ "چلو مل کر ناشتا کرتے ہیں۔ میں بھی بھوکا ہوں یار۔" ان کے سامنے بنا کوئی تکرار کیے وہ چپ چاپ ناشتا کرنے لگی۔

"آپ سے ایک بات پوچھوں؟" ناشتے کے دوران اسے جیسے خیال آیا۔ بابا خوشگوار حیرت سے اسے دیکھنے لگے۔

"مگر کچھ بھی پوچھنے سے پہلے اجازت لینی ضروری نہیں۔ بے جھجک پوچھو۔"

"آپ......" وہ قدرے جھجکی۔ "میرے ڈیڈی کے کیا لگتے ہیں؟"

☆☆☆

شناخت سے عاری، رونگٹے کھڑے کرتی، زخم خوردہ لاش میرے ابا کی تھی۔ صحن کے عین وسط میں رکھی۔ عورتوں کا جمگھٹا گھیرا ڈالے موجود تھا۔ سبھی اس کی طرف نگاہ کرتیں اور فوراً جھرجھری لے کر پھیر لیتیں۔ اکثر سپارے پڑھ رہی تھیں۔ ایک ایسی موت جس پر نہ کوئی بین، نہ کوئی رونا بلکہ زرنگار چچی کے چہرے پر نظر آنے والا اطمینان میں نے اپنی اماں کے چہرے پر بھی دیکھا۔ وہ ابا کی پائنتی کی طرف چارپائی سے ذرا ہٹ کر بالکل چپ چاپ، گم صم بیٹھی تھیں۔ ان کی آنکھ سے دنیا دکھاوے کو بھی آنسو نہیں ٹپکا اور نہ ہی وہ ایسی کوشش کر رہی تھیں دادی تھیں جن کی دھیمی، دھیمی سسکیاں کبھی کبھی گونجنے لگتیں جنہیں بیٹے کی دائمی جدائی سے زیادہ اس کی تکلیف دہ موت رلا رہی تھی۔

☆☆☆

سرِشام ہی آسمان لال غبار آلود بادلوں سے ڈھک گیا تھا۔ دادی ہولنے لگیں۔

"لال سرخ آندھی...... ضرور کچھ غلط ہوا ہے؟" اور چند لمحوں میں گلی میں کہرام برپا ہوگیا۔

"اوئے للو کی لاش...... سراج دین کے کھیت میں درخت سے لٹکی ملی۔" اور لاش گھر بھی پہنچا دی گئی۔

"توبہ...... اللہ معافی...... کوئی بڑی ہی اذیت والی موت ملی ہے۔" کسی نے کہا تھا۔ سب قیافے ملا رہے تھے۔ ابا پر پہلے تشدد کیا گیا پھر اس کی لاش درخت سے لٹکا دی گئی۔

"اللہ بچائے ایسی موت سے۔"

"اور ایسی اولاد سے بھی۔"

"واقعی، ایسی اولاد سے اللہ بچائے۔"

"سب کہتے تھے، کملا ہے، بھولا ہے، فرشتہ ہے اور اس بھولے نے باپ بھائی کی عزت خاک میں ملا دی۔"

"ایسی معصوم، خدمت گزار بیوی...... اور کملا ساس کے عشق میں جا پھنسا۔"

www.paksociety.com
SCANNED BY FAMOUSURDUNOVELS

WWW.PAKSOCIETY.COM

"ارے اللہ معاف کرے ایسا کبھی دیکھا نہ سنا۔ یہ اگر پاگل تھا، وہ منحوس تو سیانی تھی۔"

"بدبخت سوتیلی تھی ناں سمیعہ کی۔ عیاشی کے لیے بیٹی کا گھر بھی نہ چھوڑا۔ جان بوجھ کر للو پر ڈورے ڈالے۔ جائداد دیکھ کر رال ٹپکنے لگی تھی کم بخت کی۔ بیاہی بیٹی سے وہ سب کچھ کیسے مل سکتا تھا جو للو سے اینٹھ سکتی تھی۔"

"قیامت کی نشانیاں ہیں۔"

"ٹھیک کہتی ہو، اللہ اولاد دے تو سیانی دے نہیں تو نہ دے۔ مرن جوگے نے باپ کا اونچا شملہ دیکھا نہ بھائی کی شان، سب مٹی میں رول دیا۔"

"سنا ہے مروایا بھی سمیعہ کی سوتیلی نے خود ہی۔"

"ہاں ظاہر ہے جب پتا چلا ہوگا کہ باپ بھائی نے للو کو عاق کر دیا پھر اس کملے کا اس نے اچار ڈالنا تھا؟"

"ارے کئی تو بھائی بند ہیں اس کے، کسی سے کہہ کر مروا دیا ہوگا۔" ایسے موقع پر ایسی موت پر ایسی ہی باتیں، ایسے ہی تجزیے ہوتے ہیں۔

دادا کی زندگی میں ہی میرے ابا میری سوتیلی نانی کے چکروں میں پڑ گئے تھے۔ راتوں کو کبھی کبھار غائب رہنا ابا کا وتیرہ تھا مگر اب وہ ہفتوں گھر سے غیر حاضر رہنے لگے۔ پیسہ جیب سے جلدی، جلدی ختم ہونے لگا۔ قیمتی قیمتی سامان اماں کی سوتیلی کے گھر جانے لگا اور پہلے کبھی کبھار جنونی دوروں کا شکار ہونے والے ابا آئے روز اماں اور میری جان عذاب میں رکھنے لگے۔ ذرا ذرا سی بات پر وہ اماں کو گالیوں اور ٹھڈوں پر رکھ لیتے۔ ایسی ایسی غلیظ باتیں اور طعنے کہ سننے والے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں۔

ابا کو کبھی ترچھی نظروں سے نہ دیکھنے والے میرے دادا نے بھی ان کو دھنک کر رکھ دیا تھا مگر ابا کا جنون نہ اترا۔ وہ مستقل سوتیلی ساس کے گھر رہنے لگے تھے۔ میرے دادا کو یہ غم لے ڈوبا۔ ابا کو عاق کردینے کی دھمکی وہ پہلے دے چکے تھے اور بلال چچا نے ایسا کر دکھایا۔ میری سوتیلی نانی کے لیے بغیر روپیہ جائداد والا داماد اب ناکارہ تھا۔ اس نے بری طرح سے ابا کو دھتکارنا شروع کر دیا مگر ابا کی الٹی کھوپڑی تھی۔ جب وہ اسے دھتکارنے لگی تو ابا نے اسے پیٹنا شروع کر دیا مگر وہ میری ماں نہیں تھی چپ چاپ سہہ جانے والی۔ اس نے بالآخر ابا کا کام تمام کر دیا۔ اس کی فوتگی کے دن اماں کے چہرے کا سکون تو ایک، ایک کو نظر آرہا تھا مگر میرے دل کا اطمینان صرف میرے دل تک رہا۔ ہاں میں شاید دنیا کی وہ واحد اولاد تھا جسے باپ کی موت نے مطمئن کر دیا تھا۔



حویلی آنے کے ڈیڑھ دو مہینے بعد اس کی نویرا سے ملاقات ہو ہی گئی۔

کمرے میں ہمہ وقت بند رہنے سے اس روز سے طبیعت ایسی مکدر ہوئی کہ اس شام وہ حویلی کے پرانے حصے کی طرف آ گئی۔ جو پچھلی طرف تھا جس حصے میں ان سب کی رہائش تھی۔ وہ کافی جدید طرز کا بنا ہوا تھا جبکہ پرانا حصہ وہی پرانی طرز تعمیر کا تھا مگر کافی کشادگی لیے ہوا تھا۔ لمبے دالان، کھلے کھلے کمرے، بڑا سا صحن اور پودوں، پھولوں سے مالا مال ایک حسین باغ۔ وہ سحر زدہ سی اس باغ میں ٹہلنے لگی تھی۔

اپنے بیڈ روم سے نکل کر وہ یا تو بابا کی اسٹڈی جاتی یا پھر ان کے بیڈ روم میں یا پھر کبھی ان کے ہمراہ لاؤنج میں جا بیٹھتی۔ وہ بھی تب جب بابا کا اصرار بڑھتا۔ وہ ان کی خوشی کے لیے ایک بار کچن میں بھی چلی گئی تھی۔ بابا کے لیے چائے بنانے مگر وہاں بوتل کے جن کے مانند آ ٹپکنے والی پھپو نے کچھ ایسی تند نظروں سے اسے گھورا تھا کہ وہ چائے بھول بھال، ہلدی رنگت لیے واپس اپنے حجرے کو پلٹ آئی۔ بابا اس کا اترا چہرہ دیکھ کر ہی ساری کہانی سمجھ گئے تھے مگر آج دل کافی اوب گیا تھا پھر کھڑکی سے خوشگوار موسم نے بھی جھب دکھا دی تھی۔ وہ کپڑوں کی شکنیں درست کرتی بلا ارادہ آئینے کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

صبیح چہرہ کملایا ہوا تھا، رخساروں کے گلاب مرجھا گئے تھے اور کرنجی آنکھیں شوخی و شادمانی سے محروم سوجی، سوجی تھیں۔ لمبی راہداریوں میں چکرانے کے بعد وہ اب باغ میں تھی۔ لمبی، لمبی سانس لیتی وہ ایک دم ٹھٹکی تھی۔ نویرا وہاں انار کے پودے کے پاس کرسی دھرے بیٹھی تھی۔ نویرا کو شاید کسی کے ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے کا احساس ہو گیا تھا۔ بنا اپنی پوزیشن بدلے وہ گردن موڑ کر اس کی جانب متوجہ ہوئی تو خوشی گڑبڑا گئی۔ نویرا کی پتلیاں سکڑ گئی تھیں۔

"ہیلو!" جھجکتی، گھبراتی خوشی آگے بڑھی۔

"میں خوشی۔" نویرا کو دیکھ کر اسے خوشگوار احساس ہوا تھا۔ "تم نویرا ہو ناں؟" اس نے بے تکلفی سے ہاتھ آگے بڑھایا مگر نویرا نے ہاتھ ملانا تو درکنار جواب دینا بھی غیر ضروری سمجھا۔ خوشی اس کی آنکھوں کے ارتکاز سے قدرے خفیف ہوئی، ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔

"بابا بتا رہے تھے تم اسی کیمپس جاتی ہو جہاں میں جاتی ہوں۔ حیرت ہے ہم نے ایک دوسرے کو دیکھا کیوں نہیں۔" نویرا یک ٹک اسے دیکھے گئی پھر اٹھ کر خوشی کے عین سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"جب ماموں تمہارے قابو میں آ چکے تھے پھر شاہجہاں پر قبضہ جمانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"جی......؟" کاٹ دار جملے نے اسے بھونچکا کر دیا۔

"میں نے کہا ایک گھر کے دو، دو مردوں کو پھنسانے کا ہنر تم نے کہاں سے سیکھا؟" تھوڑی تگ و دو کے بعد وہ جب نویرا کی بات کا مفہوم سمجھنے کے قابل ہوئی تو جیسے زلزلے کی زد میں آ گئی ہو۔

نیلی

ایک بوڑھے آدمی نے اپنے پرس میں اداکارہ نیلی کی تصویر رکھی ہوئی تھی ایک دفعہ اتفاق سے اُن کے بیٹے نے وہ تصویر دیکھ لی تو بولا۔

"واہ ابا جی خوب! آپ نے اپنے پرس میں نیلی کی تصویر رکھی ہوئی ہے۔"

بوڑھے نے کہا۔ "رکھی تو تمہاری ماں کی تصویر تھی مگر پڑے، پڑے نیلی ہو گئی۔"

از! ارم کمال، فیصل آباد

اگر......!

میرا چشمہ نخلستان سائیں میرا بادل سبز شجر
تو بخت میرا تو تخت میرا تو محل میرا تو گھر
میں پنچھی اِک دعا مانگوں تو کر منظور اگر
یا پنجرہ، پنجرہ شام نہ دے یا کاٹ دے میرے پر

مرسلہ: طیبہ عنصر مغل، راول پنڈی

میں اور وہ......

کس لیے دیکھ کے نظروں کو جھکا لیتا ہے
وہ جو بجھتے ہوئے شعلوں کو ہوا دیتا ہے
مضطرب ہوتی مگر تجھ کو سکوں ہی دیتی
گرم پانی بھی تو آتش کو بجھا دیتا ہے
زندگی چیز ہے کیا جب بھی کیا اس سے سوال
شاخ سے توڑ کر وہ پھول گرا دیتا ہے
میں پہنچتی ہوں تیرے خواب کی دہلیز پر جب
ایک سایہ سا مجھے بڑھ کے جگا دیتا ہے
یہ بھلا کیسی محبت ہے کہ عطیہ اکثر
میں جلوں جب بھی وہ دامن سے ہوا دیتا ہے

شاعرہ: عطیہ زاہرہ، لاہور

SCANNED BY FAMOUSURDUNOVELS

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

"تم کیا کہہ رہی ہو؟" اسے لگا نویرا پاگل ہو گئی ہے۔

"وہی جو تم سمجھ رہی ہو۔" نویرا کو اس کی پھیکی پڑتی شکل نے بڑا سکون دیا۔

"تم غلط کہہ رہی ہو۔" ہمیشہ کی طرح وہ بہت جلدی کمزور پڑ گئی۔ آنسوؤں کا گولا حلق میں اٹک گیا تھا۔ "تم ہوش میں نہیں ہو۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو جس کا منگیتر اس سے چھن جائے وہ حواسوں میں کیسے ہو سکتی ہے۔"

"منگیتر......" خوشی کو دھچکا لگا۔ "لیکن بابا نے ایسا کچھ نہیں بتایا۔"

"میں تو بتا رہی ہوں ناں!" جھوٹ بولنے میں وہ بھائی کی طرح ماہر تھی۔

"تم سن لو، میں اپنی چیز کسی کو نہیں دیا کرتی، شاہجہاں صرف میرا ہے۔ اسے میں تمہارا کبھی نہیں ہونے دوں گی، یاد رکھنا۔" اس پر بم گرا کر نویرا پُرسکون سی چلی گئی۔ خوشی کیا کرے کیا نہ کرے کی تفسیر بنی کھڑی تھی۔

خود کو نارمل زندگی کی طرف لانے کی اس کی کوشش نویرا نے ملیا میٹ کر دی تھی۔ وہ رات گئے تک نویرا کے زہریلے لہجے کی بازگشت کے زیرِ اثر رہی۔ بابا کے کمرے میں رات کو دودھ کا... گلاس پہنچانے کا کام اس نے اپنے سر لے رکھا تھا۔ اداس طبیعت کی وجہ سے اس رات دودھ دینے کا خیال بھی گیارہ بجے آیا۔

"اوہ...... بابا ویٹ کر رہے ہوں گے۔" جھٹ پٹ گرم دودھ گلاس میں ڈالتی وہ پہلے تو ان کے بیڈ روم میں پھر اسٹڈی پہنچی مگر بابا وہاں نہیں تھے۔

"لگتا ہے زمینوں پر دیر ہو گئی ہے شاید آج نہ آئیں۔" گلاس ٹیبل پر رکھتی بے دم سی کرسی پر گری۔ زندگی عجیب سی ہو کر رہ گئی تھی۔ بابا بھلے اسے اولاد جیسی توجہ دے رہے تھے لیکن پھر بھی کچھ اپنا نہیں لگ رہا تھا۔ زندگی بوجھ بننے لگی تھی۔

"ہیلو...... دنیا کی سب سے غمگین خاتون۔"

بابر کی آواز نے خیالات میں ارتعاش پیدا کیا تھا۔

"آپ!" جلدی سے چہرہ رگڑ ڈالا مبادا وہ آنسو دیکھ لے۔

"یہی میں کہنے لگا تھا...... آپ؟" وہ بڑی فرصت سے بیٹھ بھی گیا۔

"میں بابا کو دودھ دینے آئی تھی۔" تنہائی اور سکون بابر کی موجودگی میں رخصت ہو گئے۔

"اور میں نے لائٹ جلی دیکھی تو آ گیا۔"

وہ چپ رہی۔ بابر ٹانگ پر رکھی ٹانگ جُھلاتا کبھی پیپر ویٹ گھماتا گاہے بہ گاہے اس پر نظر ڈالتا، بیٹھا ہی رہا۔

"ویسے......" ویسے کو لمبا کھینچنے کے بعد بابر نے ڈرامائی وقفہ لیا پھر بولا۔ "یہ پروگرام کب تک جاری رہے گا؟"

"کون سا؟" اسے بابر کی سنجیدگی نے بوکھلاہٹ میں مبتلا کیا۔

"رونے دھونے کا۔" جہاں اٹکی سانس بحال ہوئی وہیں آنکھیں پھر جھلملانے لگیں۔

"ویسے......" خوشی کی اتری صورت کو بغور جانچنے کے بعد بابر کا "ویسے" ایک بار پھر گونجا۔ "تمہیں رونا بھی چاہیے۔" گلا کھنکھارتے ہوئے بیٹھنے کی پوزیشن بدلی گویا فارم میں آیا۔ "ایک تو تمہارے ڈیڈی کی ڈیتھ، اس پر بنا تمہاری مرضی جانے تمہارا نکاح۔" گفتگو کا رخ کچھ اس طرف گھوما کہ خوشی آنسو بہانا بھول کر تحیّر زدہ ہو گئی۔ "نکاح بھی اس سڑیل سے، جو تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا حالانکہ......"

"بابر بھائی...... میں وہ......" اس نے بابر کی بات کاٹی۔

"اور جب کا گیا واپس بھی نہیں آیا آج تک...... حد ہوتی ہے کٹھور پن کی بھی۔"

"بابر بھائی میں......" وہ پھر منمنائی۔

"اب لڑکی روئے نہ تو کیا کرے حالانکہ تمہیں ناراض ہو جانا چاہیے۔"

"بابر بھائی۔" خوشی پر بے چارگی طاری ہونے لگی۔

"مگر تم پریشان نہ ہو، اس شخص سے تمہیں۔"

"بھائی مجھے نویرا نے کچھ کہا ہے۔" بے حد سرعت سے اس نے کہا تھا۔ چند لمحوں کے لیے بابر پر سکتہ طاری ہو گیا۔

"کیا کہا؟"

"میں نے کہا میں نویرا کی وجہ سے رو رہی تھی۔ اس نے بہت خراب بولا ہے مجھے۔" اب بابر اتنا ہمدرد بن رہا تھا کیا حرج تھا اسے یہ بتانے میں اور وہ جو شاہجہاں کے خلاف اسے ڈوز دینے آیا تھا چُپکا ہو بیٹھا۔

"میں سمجھا تم شاہجہاں کی وجہ سے۔"

"مجھے نیند آ رہی ہے بابر بھائی۔" جمائی روکتی وہ کھڑی ہو گئی۔ "میں چلتی ہوں۔"

"اوہ......" بابر مایوس ہوا۔ "میں سوچ رہا تھا کافی پیتے ہوئے مل کر ٹی وی دیکھتے ہیں۔"

"خیر پھر سہی۔" بابر نے دانت کچکچا ڈالے تھے۔

☆☆☆

"یہ آپ کا بیٹا ہے؟" پولیس یونیفارم میں ملبوس وہ شاہجہاں کی تصویر تھی۔ خوشی نے بغور دیکھنے کے بعد کچھ اس انداز سے پوچھا کہ بابا ہنس دیے دل چاہا کہہ دیں کہ تمہارا شوہر بھی لیکن وہ اتنی مگن اور معصوم لگ رہی تھی کہ انہیں خود کو باز رکھنا پڑا۔

"مجھے لگتا ہے غصے کے کافی تیز ہوں گے۔"

"تمہیں کمرے سے نکالا تھا اس لیے؟"

"نہیں، نہیں۔" اس نے پُرزور مخالفت کی اور حقیقت بھی یہی تھی۔ اس رات کے تمام نقش اس کے ذہن سے اتر چکے تھے۔

"جن کی بھویں ایسی ہوتی ہے...... ایسی۔" اس نے پہلے شاہجہاں کی بھوؤں پر انگلی رکھی پھر باقاعدہ اپنی سکوڑ کر دکھائیں۔ "وہ لوگ غصے کے بہت تیز ہوتے ہیں۔" بابا کھل کر ہنسے تھے۔ یہ نئی بات معلوم ہوئی تھی انہیں۔ اس فوٹو البم کو انہوں نے شاید ہی کبھی کھولا ہو جو اس کے ہاتھ لگ گیا تھا۔

"پھر تو تمہیں میں بھی غصے والا لگتا ہوں گا؟"

اس نے بڑی توجہ کے ساتھ انہیں دیکھا۔

"سمجھ گئی، یہ آپ پر ہی گئے ہیں لیکن آپ سیریس نہ لیں، یہ میں ایسے ہی کہہ رہی ہوں۔ ضروری نہیں کہ سچ بھی ہو۔"

"ہاں مگر ماننے کی بات ہے۔ تم کمال کی فیس ریڈر ہو۔" وہ مسکرا کر شاہجہاں کی ایک اور تصویر دیکھنے لگی۔

"خوشی۔"

"جی!" بابا اسے متوجہ کرنا چاہتے تھے لیکن وہ تصویروں میں گم تھی۔ جہاں ایک خوب صورت سی لڑکی شادی کے جوڑے میں کھڑی تھی۔ دلہن بنی ہونے کے باوجود اس کے چہرے پر خوشی و تازگی کی کوئی رمق نہیں تھی۔ یہی کہنے کے لیے اس نے سر اٹھایا اور بابا کے ہاتھ میں نیا نویلا موبائل فون دیکھ کر فوراً پوچھا۔

"یہ کس کا ہے؟"

"تمہارا۔" بابا اس میں کچھ فیڈ کر رہے تھے۔

"میرا...... مگر کیوں؟" وہ حیران ہوئی۔

"کیوں، کیا مطلب ہے۔ ضرورت کی چیز ہے۔ ساری دنیا رکھتی ہے۔ آج سے پہلے تم بھی استعمال کرتی ہو گی۔ مجھے افسوس ہے میں نے لینے میں اتنی دیر کیوں کر دی۔" بے خیالی میں اس نے کئی تصویریں پلٹ ڈالی تھیں۔

SCANNED BY FAMOUSURDUNOVELS

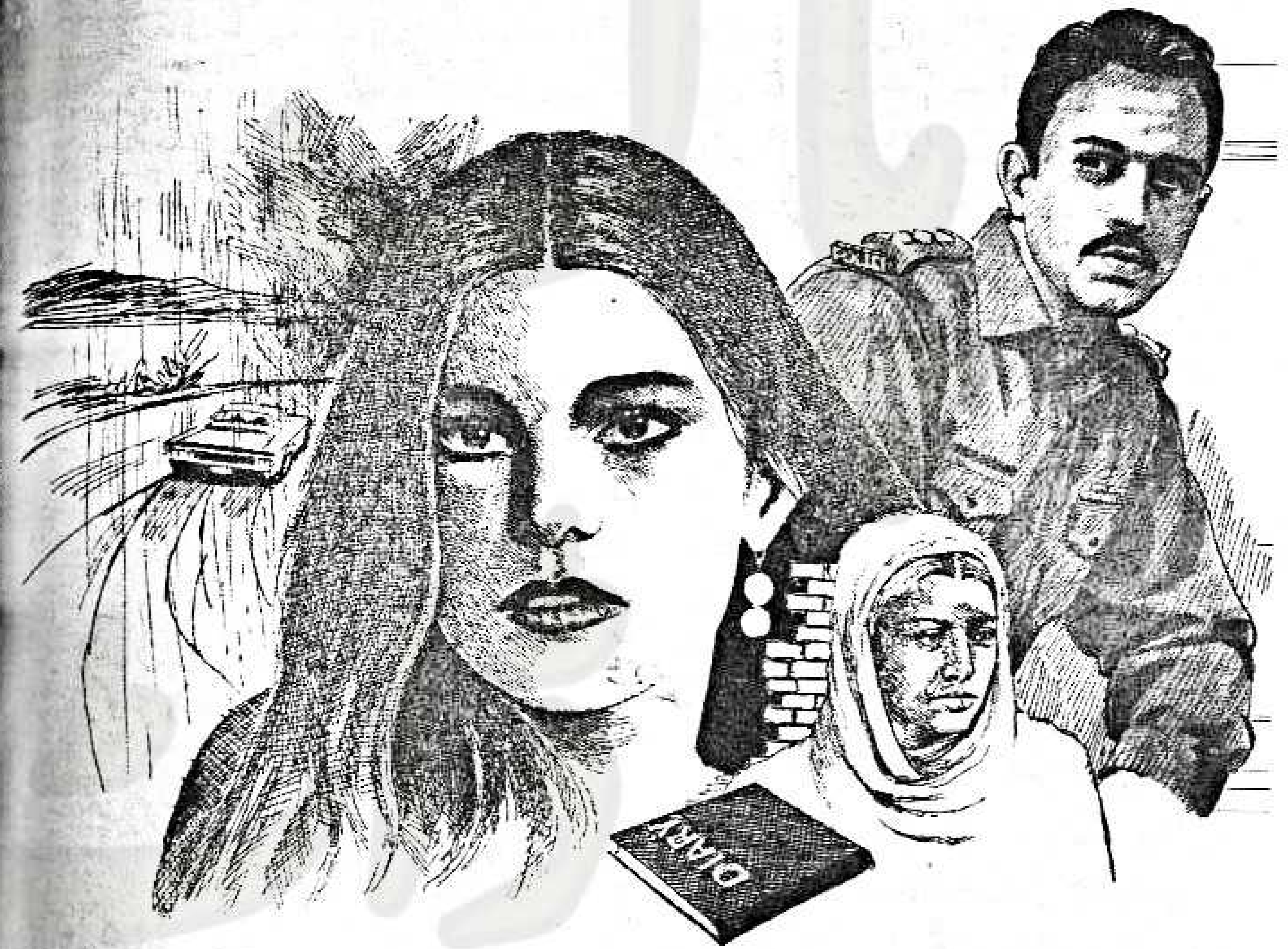
WWW.PAKSOCIETY.COM

ناولٹ

ساحل ساحل زنجیر ہوئے

فرحانہ ناز ملک

دوسرا اور آخری حصہ



پہلے ان دونوں کا کلاس روم پھر پرنسپل کا آفس کسی میدانِ کارزار سے کم کا منظر پیش نہیں کر رہا تھا۔ کلاس ٹیچر کے بعد اب پرنسپل کی شامت آئی ہوئی تھی۔ خان زادوں کی بہو نہ ہوتی تو پرنسپل نے کہاں برداشت کرنی تھی یہ بے عزتی۔

''میں پوچھتی ہوں میرے بیٹے کی دوسری پوزیشن کیسے آئی؟'' شجاع کا رزلٹ کارڈ لہراتی زرنگار آپے سے باہر ہو رہی تھی۔ ''ہمیشہ وہ پہلی

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 | PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

پوزیشن لیتا تھا۔ اس دفعہ دوسرے نمبر پر کیسے آگیا؟''

''ایسے کہ اس بار شجاع کو شہباز سے الگ بٹھایا گیا۔'' پرنسپل کا تحمل قابلِ رشک تھا۔

''کیا......؟'' زرنگار کو مزید پتنگے لگ گئے۔ ''آپ کا مطلب ہے میرا بیٹا نقل کر کے فرسٹ آتا رہا ہے' وہ بھی شہباز کی؟''

''جی۔''

''اس کا میرے بیٹے سے کوئی مقابلہ نہیں۔''

''وہ آپ کے گھر کا بچہ ہے، آپ کو خوش ہونا چاہیے اس کی قابلیت پر۔''

''میں تم سب کو دیکھ لوں گی۔ میں یہ اسکول بند کروادوں گی۔'' میز بجا بجا کر زرنگار نے خوف ناک عزم کا اظہار کیا۔ پرنسپل عجیب مصیبت میں پھنس گئی تھی۔

''دو ٹکے کی عورت کے بیٹے کو فرسٹ کردیا، کوئی اندھیر ہے۔''

''آپ بات کو سمجھیں، دوسری پوزیشن پر آنے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ آپ کا بچہ نالائق ہے۔ یقین جانیں شجاع بہت ذہین بچہ ہے۔ بس شہباز چند نمبروں کے فرق سے آگے نکل گیا۔''

''میں کسی کو نہیں بخشوں گی۔ شہباز...... شہباز...... شہباز میرے لیے تو عذاب ہوگیا۔'' زرنگار نے شجاع کا رزلٹ کارڈ پرنسپل کی ٹیبل پر پھینک دیا۔ ''نتیجہ بدل کر میرے گھر پہنچا دینا۔'' تن فن کرتی وہ اپنی قیمتی گاڑی میں جا بیٹھی۔

شہباز اور شجاع دونوں گاؤں سے یہاں پڑھنے آتے تھے۔ ٹھیک ٹھاک ساکھ کا حامل اسکول تھا۔ جہاں آج زرنگار نے آفت برپا کردی تھی۔

''اسے کہتے ہیں شکل مومناں کرتوت کافراں۔'' پرنسپل اور شجاع کی ٹیچر کانوں کو ہاتھ لگاتے نہ تھکتیں۔ ذرا سی دیر میں اسکول کی بنیادیں تک ہل گئی تھیں۔ وہ عورت جس کی خوب صورتی کا اسکول میں ہر کوئی شیدائی تھا۔ وہ آج سب کو بدوضع اور کریہہ لگی۔ سب کو اندازہ ہورہا تھا اچھی شکل اخلاق و کردار کی ضامن نہیں ہوتی۔

☆☆☆

اور چچی نے ایک اسی پر بس نہیں کیا گھر آکر تھپڑوں سے میرا منہ لال کردیا۔

''بتا مجھے...... ایسی کون سی گیدڑ سنگھی ہے تیرے پاس جو تو سنگھاتا ہے اور سب تیرے گن گانے لگتے ہیں۔ یہ جو......'' دو چار جھانپڑ میرے ساتھ کھڑے شجاع کو بھی پڑ گئے تھے۔

''ہر وقت تیری دُم بنا تیرے پیچھے ہوتا ہے۔ اس کو بھی دے دے۔'' میں ڈرا سہما، تھپڑوں کی تکلیف پر آواز بھی نہ نکال سکا کہ انہوں نے میری گدی پکڑ لی۔

''خبردار سانس نہیں نکالنا میں کہہ رہی ہوں سانس نہیں نکالنا۔'' اور میں نے ہر آواز دبالی بعد میں وہ مجھے کان سے پکڑے دادی کے پاس لے گئیں۔

''بہت ہوگیا...... سن لیں یہ اب میرے بیٹے کے اسکول نہیں جائے گا۔ کہیں بھی اس کا بندوبست کریں مگر میرے بیٹے کے ساتھ نہیں جائے گا۔ بہت برداشت کرلیا میں نے۔ ماں بیٹا اللہ کا عذاب بن کر پیچھے پڑ گئے ہیں۔ نہ گھر میں سکون نہ باہر سکون۔ جدھر جاؤ شہباز، شہباز۔'' دادی صحن میں کرسی رکھے بیٹھی تھیں۔ قریب میری اماں، ملازماؤں سے گندم صاف کروا رہی تھیں۔ زرنگار چچی کے شور سے یکسر بے نیاز جیسے میری اماں کے مطلب کی باتیں ہی نہ ہوں جیسے وہ کسی اور کے بچے کے بارے میں زہر اگل رہی ہوں۔

''ایک گھر کے بچے الگ، الگ اسکول جاتے اچھے لگیں گے؟'' دادی نے کمزوری توجیہہ بتائی۔

''نہ لگیں پر میرے بچے کے ساتھ یہ نظر نہ آئے۔'' دادی بے بسی سے مجھے دیکھنے لگیں۔

''ہونہہ...... پاگلوں کی اولاد پرائیویٹ اسکولوں میں پڑھنے لگی۔ اللہ کی شان۔'' چچی نے جاتے' جاتے پھلجڑیاں چھوڑیں۔ دادی مجھے پچکارنے کے لیے میرے پاس آگئیں۔ میں ان کے ہاتھ جھٹکتا بھاگ گیا۔ مجھے رونا آرہا تھا اور کام والیوں کے سامنے میری پہلے ہی بہت بے عزتی ہوچکی تھی رو کر مزید کیوں کرواتا۔

☆☆☆

میں اوپر چھت پر آگیا تھا۔ چارپائی پر اوندھا لیٹا میں یہیں رات بھی کردیتا اگر شجاع نہ آجاتا۔

''شیی...... بات سن...... شیی۔'' میں جوں کا توں لیٹا رہا۔ چچی جب، جب ہاتھ اٹھاتیں میرا مرجانے کو دل کرتا۔

''اِدھر دیکھ...... میں کیا لایا ہوں؟'' تجسس کے ہاتھوں مجبور ہوکر میں اٹھ بیٹھا۔ شجاع کے ہاتھ میں ایک جیسی کھلونا کاریں تھیں۔

''ابا لائے تھے، مجھے رات کو دی تھیں' انہیں پتا تھا ہم پوزیشن لیں گے۔ یہ ہمارا انعام ہے۔'' اس نے ایک کار مجھے دی میرے ذہن سے تھپڑ محو ہونے لگے۔

''ابا کہہ رہے تھے چھپا دینا۔ اماں کی نظر نہ پڑے ورنہ کسی کی خیر نہیں۔'' شجاع نہ بھی کہتا تو بھی میں نے ہمیشہ کی طرح یہ انعام بھی چھپا دینا تھا۔ ہر سال میں اور شجاع اول آتے۔ ہر سال مجھے چچا انعام دیتے۔ چچی سے چھپا کر رکھنے کی تاکید کے ساتھ۔ اپنے یہ کھلونے میں رات میں کھیل کر شوق پورا کرلیا کرتا۔ جب چچی کا سایہ نظر آنے کی بھی امید نہ ہوتی۔

''اچھا ہے ناں۔'' شجاع کے پوچھنے پر میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''اب درد تو نہیں ہورہا؟'' میں جانتا تھا وہ یہ ضرور پوچھے گا۔ میری ہر تکلیف پر درد محسوس کرنے والا میرا درد کم کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتا تھا۔ تبھی اماں اوپر آگئیں۔ ہاتھ میں ثابت لال مرچوں کا بڑا تھال لیے جنہیں وہ سکھانے کے لیے رکھنے آئی تھیں۔ تھال رکھ لینے کے بعد... خواہ مخواہ اِدھر اُدھر ہمسایوں کے گھر جھانکا اور بالآخر میرے پاس آئیں میرے دونوں گالوں پر ان کے سخت کھردرے ہاتھوں کا لمس آٹھہرا تھا۔ ان کی آنکھوں میں بے بسی تھی، بے چارگی تھی اور بہت ساری اداسی بھی۔

''تیری دادی نے کہا ہے تو اسی اسکول میں رہے گا۔ کوئی نہیں نکالے گا تجھے۔'' میرے گالوں کو سہلاتی وہ بہ مشکل بول پائیں کیونکہ وہ رونا نہیں چاہتی تھیں پھر میرا ماتھا چومتی نیچے چلی گئیں میں جانتا تھا مجھ پر پڑنے والے ہر تھپڑ نے انہیں تکلیف پہنچائی تھی اور وہ سب کے بیچ نہ سہی بعد میں میری دلجوئی ضرور کریں گی اور انہوں نے کی۔

☆☆☆

شیطان کا ایک راستہ بند کرو وہ سو راستے اور ڈھونڈ نکالتا ہے۔ زرنگار چچی کی طرح... مجھے اسکول سے نکالنے میں ناکام ہونے کے بعد انہوں نے نئے حربے آزمانا شروع کردیے۔ گھر میں ملازموں کی فوج ہوتے ہوئے ہمہ وقت میرے نام کی پکاریں پڑنے لگیں۔

''شہباز...... ڈیرے سے برتن اٹھالاؤ۔ شہباز' زرجبیں کی جوتی موچی کو دے آؤ۔ شہباز میرے میکے سے راشدہ بھابی کا ہرا موتیوں والا دوپٹا لیتے آنا۔'' اور میں گھن چکر بن گیا۔

پہلے سمیعہ، سمیعہ ہوتی تھی اب سمیعہ کے ساتھ شہباز کا لاحقہ بھی جڑ گیا۔ نتیجتاً دن کے وقت میرا پڑھائی کرنا مشکل ہوگیا مگر میں ہمت اور حوصلے میں اپنی ماں پر گیا تھا۔ تھکا ہارا ہونے کے باوجود بھی

www.paksociety.com
www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 | f PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

رات کو کتابیں کھول کر بیٹھ جاتا۔ اماں جنہیں سارا دن اپنے بیٹے کی طرف دیکھنے کی فرصت نہیں ملتی تھی میں جب رات میں پڑھتا تو وہ اپنا تھکن زدہ وجود لیے میرے ساتھ بلاوجہ بیٹھی رہتیں۔

''اماں سو جاؤ۔'' میں انہیں بار بار کہتا۔ وہ سوتی ہوں کہہ کر میرے پاس سے اٹھنے کا نام نہ لیتیں۔ میرے لیے ان کی محبت و توجہ کا یہی انعام بہت تھا۔

پھر ایک رات میں جب کتابوں میں منہ دیے بیٹھا تھا زرنگار چچی آ پہنچیں۔

''سمعیہ۔'' حسبِ معمول ان کی زبان سے نکلا تھا اور وہ اتنی افتاد سے آئیں کہ مجھے اپنا بستہ سمیٹنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ میں کیا خوف زدہ ہوتا جتنی میری اماں ہو گئیں۔ زرنگار چچی کی ایک ایک فطرت پہچانتی تھیں وہ۔ مجھے پڑھتا دیکھ کر چچی کا چہرہ بھیانک ہو گیا۔ انہوں نے اس وقت کچھ نہیں کہا مگر آنے والی ہر رات وہ مجھے معروف کرنے لگیں۔ ایسے، ایسے کام ڈھونڈ کر بتانے لگیں کہ جنہیں کرنے کے بعد میرے ننھے وجود میں پڑھنے کی سکت باقی نہ رہتی۔ جیسے ایک رات وہ اپنے، بلال چچا، زرجبین اور شجاع کے پالش ہونے والے تمام جوتے پالش کرنے کا حکم دے کو خود سونے چلی گئیں اور میں بزدلی کی حد تک ایسا شریف کہ جان وار کر کام کرتا گیا۔

اس رات مجھے ہر صورت ٹیسٹ یاد کرنا تھا۔ گزشتہ کئی دنوں سے میرے ٹیسٹ اچھے نہیں ہو رہے تھے۔ میری بے سکونی کی کوئی حد نہیں تھی مگر جوتوں کی دکان نہ جانے کب پالش ہونی تھی مجھ سے حالانکہ اماں نے زبردستی برش کھینچ کر خود یہ کام کرنے کی کوشش بھی کی لیکن مجھے ان کو کم از کم اس وقت آرام دینا تھا اور ابھی میں تیسرے جوتے تک ہی پہنچ پایا تھا کہ کسی نے میرے ہاتھ سے برش اچک لیا۔ یہ شجاع تھا۔

''تو ٹیسٹ یاد کر۔'' وہ مزے سے پھسکڑا مار کر بیٹھ گیا۔

''ہوش میں ہے تو۔'' میں گھبرا ہی تو گیا۔

''اماں کو نہیں پتا اور نہ لگنے دوں گا۔ شاباش کتاب کھول اپنی۔'' اور مجھے واقعی پڑھائی کرنی تھی۔ تشکر و محبت سے لبریز جذبات لیے میں اسے تا دیر دیکھے گیا۔

''جا یار...... نہیں تو میرے نمبر زیادہ آ جائیں گے۔'' میرے اندر پھریری سی دوڑ گئی۔ میں اس کے قریب ہی کتابیں لیے بیٹھ گیا۔ جب تک اس نے جوتے پالش کیے میرا ٹیسٹ یاد ہو گیا پھر گویا معمول بن گیا۔ وہ اپنی پڑھائی دن میں کرتا اور رات میں مجھے تفویض کردہ کام مگر ایسا کب تک ہوتا۔

ایک رات شجاع کو اپنے کمرے میں نہ پا کر چچی میرے کمرے میں آ گئیں اور یہاں شجاع کو ساری حویلی کی الماریوں کے لیے تن دہی سے پلاسٹک شیٹ کاٹتے دیکھ کر حق دق رہ گئیں۔

''شجاع!'' وہ حلق کے بل چیخی تھیں۔ اس رات میرے ساتھ ساتھ شجاع بھی برابر کا پٹا۔ میں مار کھا کھا کر عادی نہیں ہو پایا تھا ہر نئی مار مجھے پہلی سے زیادہ اذیت بھری لگتی اور کبھی کبھی اِکا دُکا جھانپڑ کھانے والا شجاع ڈھٹائی سے مار کھاتا رہا بعد کے نتائج حسبِ توقع نکلے۔ میں نو ماہی امتحان کا ایک پرچہ خالی چھوڑ آیا۔

''سارا پرچہ بھول گیا جیسے میں نے کبھی پڑھا ہی نہ ہو۔ کچھ بھی یاد نہیں آ رہا تھا۔'' وہ خاموشی سے مجھے روتا دیکھتا رہا پھر جب نتیجہ نکلا۔ میں اس پرچے میں فیل تھا اور شجاع اس سے اگلے میں حالانکہ وہ اس کا پسندیدہ مضمون تھا۔ زرنگار چچی پاگلوں کی طرح چلاتی رہیں۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے، یہ فیل کیوں ہو گیا؟''

میرے سامنے تو پڑھتا رہا تھا۔ ضرور پرنسپل نے......'' چچی دائیں ٹانگ چھوڑتیں بائیں پکڑ لینے کے مصداق اب بھی پرنسپل کے پیچھے پڑیں مجھے یقین تھا اور میرے یقین پر رات کے وقت میرے کمرے میں آ کر شجاع نے مہر بھی لگا دی۔

''چل آ...... سیکی بریٹ کرتے ہیں۔'' اس کے ہاتھ میں مٹھائی کا ڈبا تھا۔ حفظِ ماتقدم کے طور پر چچی ایسے کئی ڈبے رزلٹ سے پہلے لے کر رکھ دیا کرتی تھیں۔

''کھاناں...... قسم سے مزے کی ہے۔'' اس نے زبردستی گلاب جامن میرے منہ میں ڈال دیا۔

''تو جان بوجھ کر فیل ہوا؟'' میں نے گلاب جامن نگل کر سوال کیا۔ شجاع نے ہونٹ سیکڑ لیے۔

''میں نے میتھ کا پیپر بلینک چھوڑ دیا تھا۔'' اس نے بے نیازی سے بتایا۔

''کیوں؟'' میں چیخ ہی تو پڑا۔

''کیونکہ مجھے تیرے رزلٹ کا اندازہ ہو گیا تھا تو میں نے سوچا جدھر یار کی سواری اُدھر میری۔ جدھر تو سر مارے گا اُدھر میں ماروں گا۔ جو تو کرے گا وہ میں کروں گا، ٹھیک کہاناں تائی۔'' وہ اماں سے تائید چاہ رہا تھا اور میں رونے لگا۔

''یار کیا عورتوں کی طرح رونے بیٹھ گئے ہو۔'' وہ جھنجلا رہا تھا۔ میں نے دیکھا میری اماں مسکرا رہی تھی۔ میرے آنسو تھم گئے۔

''چچی کو پتا لگ گیا پھر؟''

''کبھی خود کو اس ڈر، خوف سے آزاد بھی کر لیا کر۔ بزدل......'' پھر وہ ماں سے مخاطب ہوا۔

''تائی اس کا نام شہباز کیا سوچ کر رکھا تھا؟''

☆☆☆

بابا زمینوں سے دو ہفتوں کے بعد لوٹے۔ ٹی وی لاؤنج میں محفل جمی تھی۔ بلا ارادہ وہیں بیٹھ گئے حالانکہ یوں سب کے بیچ بیٹھنا ان کی عادت نہیں تھی۔ دادی اور پھپھو نے کن انکھیوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ خوشی کے آنے سے پہلے بھی وہ ان سب سے زیادہ بے تکلف نہیں ہوتے تھے... مگر اب تو جیسے لاتعلق ہو گئے ہوں۔ بابا موبائل پر ایس ایم ایس ٹائپ کر رہے تھے۔ ٹائپ کر چکے تو دادی کچھ کہنے کو بے تاب ہوئیں۔ جیسے ہی منہ کھولا لاؤنج کی طرف آتی خوشی کو دیکھ کر دوبارہ سے بند کر لیا۔ خوشی کو دیکھ کر اشتعال کی شدید لہر نے سر اٹھایا تھا۔ وہ ابھی ابھی بابا کے بھیجے ایس ایم ایس کی وجہ سے آنے پر مجبور ہوئی تھی۔

''خوشی لاؤنج میں آؤ، میں آیا ہوا ہوں۔'' وہ عام دنوں میں سب کا سامنا کرنے سے کتراتی تھی لیکن اب جانے پر معترض نہ ہوئی کہ ایک تو بابا اتنے دن لگا کر آئے تھے۔ اس کا دل بے حد اداس تھا پھر وہ بابا کا حکم کیسے ٹال دیتی۔

''وعلیکم السلام، جیتی رہو۔'' اس کے سلام کا جواب صرف بابا نے دیا۔ باقی سب کا دل بابا کی مسکراہٹ دیکھ کر راکھ ہو گیا۔ یہ مسکراہٹ آج کل صرف خوشی کے لیے مخصوص تھی۔ نوریا اتنی دل برداشتہ ہوئی کہ پاؤں پٹختی اٹھ بھاگی۔ سب کی موجودگی اور وہ بھی اتنی نخوت بھری۔ خوشی ایک کے بعد دوسری بات نہ کر سکی بابا سے۔

''طبیعت؟'' بابا اس کے ہاتھ میں موبائل دیکھ چکے تھے جسے وہ جلدی میں اور شاید انجانے میں ساتھ لیتی آئی۔ بابا نے مسکراتے ہوئے میسج بھیجا اس کے موبائل کی رنگ ٹون سائلنٹ تھی۔ روشن اسکرین سے اندازہ ہوا میسج تھا۔

''آپ کو بتاؤں...... آپ کا بیٹا آیا ہوا ہے۔'' اس نے حسبِ عادت سوال نظر انداز کر کے اپنی ہانکی۔ بابا خوب محظوظ ہوئے۔

''ارے...... کب؟''

''ابھی، آپ کے آنے سے گھنٹا پہلے۔'' اس

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

نے ٹائپ کیا تھا۔
"تمہیں کیسے پتا؟"
"میں سامنے والے لان میں تھی۔"
"اور اب تم یہاں ہو؟" ساتھ ہی ناراضی بھرا smiley face۔
"آپ نے ہی تو کہا یہاں آکر بیٹھو۔" وہ حیرانی سے آنکھیں سکوڑے ٹائپ کرنے لگی۔
"تم جاؤ۔"
"کہاں؟" وہ ہونق ہی تو ہوگئی۔ بابا کو ہنسی آنے لگی۔ وہ جس قسم کا میسج ٹائپ کرتی شکل پر بھی ویسے ہی تاثرات ابھر آتے اور اُدھر بابر اسے مسلسل موبائل پر مصروف دیکھ کر پہلو پہ پہلو بدل رہا تھا۔
"شاہجہاں کے پاس۔"
"آپ مذاق کررہے ہیں؟"
"جاؤ چائے پانی کا پوچھو۔"
"میں نہیں جارہی۔" اس کے چہرے پر ہوائیاں تھیں۔
"تم نہیں جاؤ گی تو میں سب کے بیچ میں منہ سے بول کے یہی حکم دوں گا۔" خطرناک دھمکی۔
"مت کریں بابا، آپ برے لگ رہے ہیں۔" وہ روہانسی ہورہی تھی۔
"جاؤ شاباش۔"
"سب کیا کہیں گے؟" وہ جھینپی تھی۔
"تم بیوی ہو، شوہر کی خدمت فرض ہے۔ سب کا دماغ خراب ہے اگر کہیں گے۔"
"میں نہیں جارہی۔"
"میں بہ آواز بلند کہہ رہا ہوں۔" اور اِدھر بابا نے منہ کھولا اُدھر وہ کھڑی ہوگئی۔ بابا کو چھوڑ کر باقی جملہ حاضرین اس کے یوں ہوشیار باش ہونے پر متحیر میں گھر گئے۔ کھڑے ہونے کے بعد اس نے انگلیاں مسلیں۔ بابا کو ملتجیانہ دیکھا۔ وہ ہنوز سختی سے گھورتے رہے۔ انہیں خشمگیں نظروں سے دیکھتی مرے مرے قدم اٹھانے لگی۔
"یہ کہاں جارہی ہے؟" اس کا رخ سیڑھیوں کی طرف تھا۔ پہلے بابر کے کان کھڑے ہوئے پھر وہ خود کیونکہ وہ شاہجہاں کے کمرے میں گھس گئی تھی اور بابر سے یہ دیکھنا محال ہوگیا تھا۔

☆☆☆

انتہائی مہذب بلک میں پیدا ہونے والی کا ایسا غیر مہذب انداز نہ دستک نہ اجازت، منہ اٹھائے جب کمرے میں آگئی تب احساس ہوا غلط کرآئی۔ کچھ ایسے ہی تاثرات شاہجہاں کے چہرے پر بھی تھے مگر اب کیا، کیا جاسکتا تھا۔ سوائے سننے اور صرف سننے کے مگر شاہجہاں شاید سنانے کے موڈ میں نہیں تھا۔ تین منٹ اس نے اس کی ڈانٹ کا انتظار کیا پھر سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔
"وہ......میں......" شاہجہاں کی زبان بند پر آنکھیں دفع ہوجاؤ کا حکم سنا رہی تھیں۔ "مجھے......ایکچوئیلی......" اس نے ہمت کرکے کہنا شروع کیا۔ "بابا نے بھیجا ہے۔ آپ سے چائے پانی کا پوچھنے کے لیے۔" عموماً وہ جھوٹ جو بچے گیٹ پر جاکر فاش کرتے ہیں کہ ابو کہہ رہے ہیں کہ وہ گھر پر نہیں ہیں کچھ ایسی ہی بچکانہ حرکت اس سے سرزد ہوئی تھی۔
"باہر جاؤ۔" شاہجہاں کی آنکھوں میں شدید ناگواری تھی۔
"جی......؟" خوشی کو قیامت قریب نظر آئی۔
"میں نے کہا باہر جاؤ۔" اس کی آنکھیں پھیل گئیں شاہجہاں کے تیز لہجے پر۔ "تمہاری سمجھ میں نہیں آرہا......آئی سیڈ گیٹ آؤٹ۔" اور اب واقعی سمجھ میں آگیا تھا۔ وہ اڑتی ہوئی کمرے سے باہر آئی تھی۔ جان ہتھیلی پر رکھ کر جانے کا کیا فائدہ ہوا۔ اس نے تہیہ کرلیا تھا کہ بابا سے آج کے دن ناراضی رکھنی ہے۔

☆☆☆

اور یہاں نویرا کے کمرے میں الگ بحث چھڑی تھی۔
"تم تو اسے دوست کی بہن بنانے پر تُلے تھے۔" نویرا نے بھڑک کر کہا۔
"جھوٹ بولا تھا، غلط کہا تھا اچھی لگی تھی مجھے، چاہتا تھا تم بات بڑھاؤ۔" چند لمحوں کے لیے سب کو چپ لگ گئی۔ بابر کا یہ اعترافِ محبت کوئی ایسا خوش کن نہیں تھا۔
"اور وہ بن گئی بھابی۔" نویرا نے تمسخر اڑایا، بابر کے ہونٹ بھنچ گئے۔
"قسمت تو دیکھو، شاہجہاں بن مانگے مل گیا اور میرا بیٹا ایک نظر میں لٹو ہوگیا چنڈال پر۔" پھپھو کے دکھڑوں میں ایک اور کا اضافہ ہوگیا۔
"کاش تم مجھے تب سچ بتادیتے، میں کچھ نہ کچھ کرلیتی۔" نویرا کا بس نہیں چلا وقت پیچھے لے جائے۔
"تمہاری تو شکل پر نفرت لکھی تھی پتا نہیں سب اچھی شکلوں سے تمہیں حسد کیوں ہوجاتا ہے؟"
"تمیز سے بات کرو۔"
"چپ کرو......دونوں بدتمیز۔" بالآخر دادی کو چیخ کر کہنا پڑا۔ دونوں ناراض تاثرات سجائے چپ ہوگئے۔
"خیر......" پھر کافی دیر بعد بابر نارمل ہوا تو جیسے نئے عزم سے بولا۔ "ہار ماننے والا تو میں بھی نہیں، مسٹر شاہجہاں۔" اس نے بہ آواز بلند کہا تھا۔ "اتنا تو تُو جانتا ہوگا کہ بابر...... شاہجہاں کے باپ کا بھی باپ تھا۔" بڑی ذومعنی بات کی تھی اس نے۔ خواتین سمجھیں کہ نہیں مطمئن ضرور ہوگئیں۔ بابر کی صلاحیتوں سے کس کو انکار تھا۔

☆☆☆

ٹشو کا ڈبا خالی ہونے کو تھا اور آنسو تھے کہ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔ اسے چپ کروانے کی بابا کی ہر کوشش ناکام ہوگئی۔ اب محسوس ہورہا تھا اس کی تحقیر ہوئی ہے۔ شاہجہاں کا دفع ہوجاؤ کہنا اسے یاد آتا تو جیسے آنسو پھر سے بہہ نکلنے کو بے تاب ہوجاتے۔ بھلے دس بار کمرے سے باہر نکالتا مگر تھوڑی نرمی کے ساتھ اور اس کے روتے ہوئے چہرے کو بے بسی سے دیکھتے بابا کو کوئی اور شدت سے یاد آیا تھا۔

☆☆☆

زرنگار چچی چولھے کے قریب چوکی پر بیٹھی تھیں۔ میں، شجاع اور زرجبیں قریب بچھی چٹائی پر بیٹھے تھے۔ یہ ناشتے کا وقت تھا۔ آج کنیزاں کی طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے چچی کو خود روٹی پکانی پڑ رہی تھی۔ زرجبیں اور شجاع اپنی اپنی روٹی پر مکھن کے بڑے بڑے پیڑے رکھے نوالے اس میں لگا لگا کر کھا رہے تھے۔ چچی نے میری روٹی پر انگلی کی مدد سے تھوڑا سا مکھن ڈالا جو گرم روٹی پر پگھلتا گیا مگر وہ اتنا کم تھا کہ روٹی کے صرف اسی حصے پر پگھلا جس پر رکھا گیا تھا، باقی روٹی خشک تھی۔ میری بھوک مکھن دیکھ کر چمک اٹھی تھی مگر چچی کی اس فیاضی نے میری بھوک ماردی۔ وہ میری روٹی کو ہاتھ میں لیے بیٹھی تھیں۔ پھر دونوں ہاتھوں سے روٹی کو دُہرا کرکے رگڑنے ...... ذرا سے مکھن کو پوری روٹی پر پھیلا دینا صرف زرنگار چچی کا ہی کمال تھا اور وہ روز ایسا کرتی تھیں اور روز ہی میں اچاٹ دل کے ساتھ ناشتا کیا کرتا۔
"اماں......شجیعی کو ملائی دے دیں۔" چچی میرے سامنے چائے کا کپ رکھ رہی تھیں جب شجاع نے کہا۔ آنکھیں نکال کر شجاع کو دیکھا۔ جس کی ڈھٹائی اس کی دلیری بن چکی تھی۔ مکھن کو چچی نے آنا فاناً گھی بنانے کے لیے چولھے پر چڑھا دیا تھا۔ مجھ سے روکھی روٹی نہیں چبائی جارہی تھی۔ چچی کی نظر بچا کر میں نے اسے باسی روٹیوں میں رکھ دیا۔ شجاع ناشتا ختم کرکے میرے لیے بیٹھا رہا تھا۔ میں کھڑا ہوا تو وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

''شجاع۔'' اور جب وہ میرے پیچھے لپک رہا تھا۔ چچی نے چنگھاڑ کر پکارا۔ چچی، شجاع کے چور دروازے تاڑ چکی تھیں۔ جہاں سے وہ میری دل جوئی کرنے پہنچ جاتا تھا مگر اب اس کی قربانیاں چچی کے کنٹرول میں چلی گئی تھیں۔

میں حویلی کے پچھلے باغ میں مخصوص جگہ بیٹھا حسبِ عادت رونے لگا۔ پہلے اماں اور پھر دادی دونوں میرے اسکول کے زمانے میں ہی فوت ہوگئیں۔ اب میں اکیلا تھا اور زرنگار چچی کی حاکمانہ فطرت دادی کے زمانے کے عیش میرے لیے ماضی ہوگئے تھے۔ میری حیثیت ملازم سے زیادہ کی نہیں رہی تھی۔ بلال چچا، چچی کی حاکمانہ فطرت کے آگے بھلے نہ دبنے کے دعوے کرتے ہوں مگر وہ چچی سے ڈرتے ضرور تھے۔ اکثر باتوں پر چچا کو مجبوراً خاموشی اختیار کرنا پڑ جاتی۔ آج اسکول سے بھی چھٹی تھی۔ میں بڑی فرصت کے ساتھ رو سکتا تھا۔ تاوقتیکہ چچی آواز نہ دے لیتیں مگر ان کی آواز سے پہلے ایک اور آواز کہیں قریب سے سنائی دی۔ میں نے دیکھا۔ دھند کے اس پار نظر آتے چہرے پر تمسخرانہ مسکراہٹ تھی۔ ناجیہ......

''شرم کرو...... مرد ہو کر روتے ہو۔'' میں نے آنکھیں اور چہرہ رگڑنے میں دیر نہیں کی۔

''میں مرد نہیں ہوں۔'' بھولپن میں، میں نے جو کہنا تھا اسے غلط بول گیا۔ وہ اس زور سے ہنسی کہ میں شرمندہ ہوگیا۔

''بدتمیز۔'' بہت بری لگتی تھی یہ مجھے۔ منہ پر اچھا برا سب بول دینے والی، میں بدکتا تھا اس سے۔

''عورت ہو؟'' تھوڑا سا گیپ ہنسی میں آیا مگر یہ کہہ کر پھر وہی جان جلاتی قل قل۔

''میرا مطلب ہے میں بچہ ہوں۔'' میں منہ پھلا کر وضاحت دینے لگا۔

''اتنے بھی بچے نہیں ہو...... نویں میں پڑھتے ہو اور روتے ہو عورتوں کی طرح۔''

''تو تمہیں کیا؟''

''ہاں مجھے کیا...... میں تو ایسے ہی یہ اٹھائے چلی آئی۔'' وہ ہاتھ میں پکڑا ڈبا دکھانے لگی۔

''اس میں کیا ہے؟''

''دیسی گھی۔'' اس نے ڈبا کھول کر عین میری ناک کے سامنے کیا۔ ''سونگھو...... اصلی...... سچا گھر کا گھی۔''

''تم نے چوری کی؟...... گناہ؟'' اس کے ہاتھ پیر پھر سے پھول گئے۔

''نہ......ں ں ں۔'' اس نے لمبی نہ کہی۔ ''چوری نہیں، حق لیا۔ جو حق نہ دے اس سے ایسے لے لو...... اب دیکھو۔'' وہ میرے قریب ہوئی۔ ''اُدھر چچی نے رخ پھیرا اِدھر میں نے حق وصولا۔''

''یہ چوری ہے۔'' میں اس کی منطق سے ذرا متاثر نہ ہوا۔

''اس کا مطلب میں واپس لے جاؤں؟'' وہ ڈبا بند کرتی جانے بھی لگی۔

''نہیں، نہیں رکو سنو۔'' میں بہ سرعت اس کے سامنے آیا۔ وہ ہونٹ بگاڑتی مجھے دیکھنے لگی۔

''مگر......'' میں جھجک رہا تھا۔ ''کھائیں گے کیسے؟''

''پکڑو۔'' ڈبا میرے ہاتھوں میں دیتی وہ یہ جا وہ جا پھر چند لمحوں میں وہ دو روٹیوں کے ساتھ سامنے تھی۔

''چوری نہ کہنا۔'' آتے ہی وارننگ دی۔ ''جانتے ہو ناں اپنی چچی کے شاہانہ مزاج کو۔ روٹیاں کتنی ضائع کرتی ہیں۔ یہ مجھے دی ہیں کہ میں مال مویشی کی سوکھی روٹیوں میں رکھ آؤں۔ میں نے چھپالیں۔'' بولتے بولتے اس نے دونوں روٹیاں گھی میں تر کرلی تھیں۔

''لو عذرا بانو...... خوش ہوجاؤ۔'' ایک روٹی میرے حوالے کرتے ہوئے اس نے کہا۔

''عذرا بانو؟'' میں بالکل نہ سمجھا کہ اس نے کسے کہا۔ ''کون عذرا بانو؟''

''تم۔'' مجھے جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔

''میں نہیں کھا رہا۔'' میں نے بے حد ناراضی سے روٹی واپس کرنی چاہی۔

''اوئے اوئے...... پتا ہے سرداروں کا خون ہو پر یہ نخرے چچی کو دکھانا مجھے نہیں۔ کھاؤ...... خون پسینہ لگا ہے اسے یہاں تک لانے میں۔'' میں منہ پھُلائے کھانے لگا جبکہ اس نے ختم بھی کرلی تھی۔

''اوئے جلدی ختم کرو، کوئی آگیا تو میری روزی پر پانی پھر جائے گا۔'' میں نے بڑے بڑے نوالے لے کر روٹی ختم کی اور آخری نوالہ منہ میں تھا جب شجاع وہاں آیا۔ ناجیہ نے فوراً چوری کا مال چھپایا تھا۔ شجاع کے ہاتھ میں پلیٹ تھی۔ جس میں دیسی گھی سے چپڑی روٹی رکھی تھی۔

''یہ لو......'' آتے ہی اس نے پلیٹ میرے حوالے کی۔ ''جلدی سے ختم کرو...... بھجوا کر لایا ہوں۔''

''لیکن میں......'' اس کے بعد بولنے کی نوبت نہیں آئی۔ ناجیہ کی کہنی میری پسلی میں آگ لگا گئی تھی۔

''اس کا مطلب یہ ناشتا کر آیا ہے۔'' استادوں کی استاد ناجیہ بات سنبھالنے میں ماہر تھی۔

''کوئی نہیں کیا، میرے سامنے تو بیٹھا تھا، لے ناں کھا...... اماں آجائیں گی۔'' اور مجھے کھانی پڑی۔ آج کی یہ دو مہربانیاں کافی مہنگی پڑی تھیں۔

☆☆☆

بڑی دھندلی سی جھلک تھی میرے ذہن میں۔ دادا جب میری اور شجاع کی ہم عمر ایک بچی کو گھر میں لائے تھے۔ دو چوٹیوں میں کسے ہوئے بال اور بڑی، بڑی آنکھوں والی ناجیہ میں مجھے یا گھر کے کسی بچے کو کوئی اپنائیت یا دلچسپی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ اس کے تیور بڑے ہی بے نیاز قسم کے تھے۔

''عبدالواحد کی نواسی ہے۔ بے چاری کا کوئی آسرا نہیں رہا۔ نانا کی فوتگی کے بعد سب نے آنکھیں پھیر لیں۔'' دادا نے اپنے کسی دور پار کے دوست کا نام لیا تھا۔ بنا تفصیل میں گئے دادی نے فوراً اس کے لیے بانہیں وا کردیں۔

''سسر صاحب کے کسی گناہ کا پھل ہوگا۔ آج سے پہلے تو کسی نے عبدالواحد کا نام نہیں سنا۔'' زرنگار چچی عادتاً کلستی رہیں اور وہی ناجیہ ان کے کام آنے لگی۔ زرجبیں کو سنبھالنے سے لے کر چچی کی ٹانگیں دبانے تک۔ انہیں ایک کل وقتی ملازمہ مل گئی تھی۔

☆☆☆

''سنو۔'' اس دن زرنگار چچی کہیں گئی ہوئی تھیں۔ شجاع میرے کمرے میں تھا۔ ہم دونوں ایک ساتھ ہوم ورک کر رہے تھے جب کھڑکی سے اس نے جھانکا۔

''یہ پھر آگئی۔'' شجاع اس سے بلاوجہ چڑنے لگا تھا۔

''تم مجھے پڑھاؤ گے؟'' میں نے حیرت و بے یقینی سے یہاں وہاں اور پھر مسکراہٹ دبائے بیٹھے شجاع کو دیکھا۔

''مجھے نہیں، تمہیں کہہ رہی ہے۔'' اس نے جیسے مجھے سمجھانا چاہا۔

''میں......؟'' میں نے ناجیہ سے یقین دہانی چاہی۔

''ہاں تم۔''

''پڑھائے گا، کیوں نہیں پڑھائے گا۔ یہی کام تو کرتا ہے یہ۔'' میں منہ کھولے دیکھتا رہ گیا اور شجاع نے مسئلہ حل بھی کردیا۔ ''جاؤ کتابیں لے آؤ۔''

''عذرا بانو بھی تو کہے؟'' اس نے بھولپن سے کہا تھا۔ جہاں میرا رنگ اڑا وہیں شجاع اس کے پیچھے پڑ گیا۔

''کون، کون...... پھر سے کہو؟''

''یہ عذرا بانو۔'' اور شجاع پیٹ پکڑ پکڑ کر دُہرا ہوگیا۔ میں نے بڑی شاکی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''میں نہیں پڑھاتا۔'' وہ کان پکڑ کر گویا معافی مانگنے لگی۔

''مان جا یار...... دیکھ کان پکڑ کے معافی مانگ

www.paksociety.com
www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

رہی ہے۔"

"دوبارہ نہیں کہوں گی؟" مگر میں نے ایک کے بعد دوسری نظر نہ ڈالی۔ وہ اتری شکل کے ساتھ جانے لگی۔ مجھے لگا میرا دل گھٹتا جا رہا ہے۔

"سنو۔" بے اختیاری کیفیت تھی۔ میں نے اسے پکار لیا۔ وہ واپس پلٹی۔

"ٹھیک ہے، میں پڑھاؤں گا۔" اس کی گندمی رنگت سے ستھری شعاعیں پھوٹ رہی تھیں۔

"ہاں یہ ڈپٹی نذیر احمد......" شجاع کی جھنجلاہٹ دیکھنے لائق تھی۔

"ویسے میں پانچویں پاس ہوں۔" اس نے فخریہ بتایا۔

"میں تمہیں آٹھویں کا کورس پڑھاؤں گا، میرے پاس ہے۔"

"اس خوشی میں لڈو کھاتے ہیں، میں ابھی لائی۔" وہ بھاگ گئی تھی۔ میں شجاع سے نظریں چرائے کتاب کھولنے لگا۔

"لڈو۔" جبکہ شجاع کے کان کھڑے ہوگئے تھے۔ یہ لڈو اس کی مامی کے گھر سے آئے تھے یقیناً ناجیہ اپنا حق وصول کر چکی تھی۔

"ایک نمبر کی چورنی ہے، دیکھنا تمہیں خراب کردے گی۔ اسلم پرویز کی طرح۔" وہ چڑ رہا تھا۔

"اسلم پرویز۔" ہمارے دور کا دبنگ ولن میں نے زیر لب دُہرایا۔

"شجاع نے کیا ٹھیک نام دیا ہے۔" میرے ہاتھ ناجیہ کی چڑ آ گئی تھی۔

☆☆☆

اب شجاع اور میری جوڑی تکون ہوگئی۔ وہ ہم میں شامل ہوگئی۔ شجاع چچی سے بچ نکلنے کا موقع کبھی کبھی ڈھونڈ پاتا اور وہ روزانہ ایسا کرتی۔

میں شجاع کی غیر موجودگی میں بھی شرمایا گھبرایا رہتا۔ سوچ سوچ کر پڑھاتا، کانپ کانپ کر کہتا۔ شجاع ہوتا تو پھر حالت مزید غیر ہو جاتی۔ مجھے ناجیہ سے خوف آتا تھا۔ وہ عجیب لڑکی تھی۔ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے والی۔ میں اسے پڑھاتے وقت نظریں نیچی کیے رکھتا اور ان نیچی نظروں کے ساتھ ہی مجھے اندازہ ہو جاتا کہ وہ مجھے گھور رہی ہے۔ میں اس تپش سے گھبرا کر اسے دیکھتا۔ وہ بجائے شرمندہ ہونے کے بڑی ڈھٹائی و شوخی سے بھویں اچکا اچکا کر میرا خون خشک کر دیتی۔ شجاع کے سامنے بھی اس کے یہی کرتوت ہوتے۔

"دو نمبر ہے۔" وہ کہتا۔

"ایسے مت بولو۔" میں فوراً ٹوک دیتا۔

"دیکھنا ہماری لٹیا ڈبوے گی۔" میں کان لپیٹ لیتا۔ مجھے اس کا گلہ بھی منظور نہیں تھا۔ یوں میرے وہ دن جو گزرنے میں نہیں آتے تھے اب ان کو پر لگ گئے۔ شجاع کہتا تھا۔

"یہ لڑکی کتابیں تو نہیں پڑھتی، تمہیں پڑھتی رہتی ہے۔" مگر وہ بہت ذہین تھی۔ وہ اتنی قابل تھی کہ میرا شدت سے دل چاہنے لگا کہ وہ پرائیویٹ میٹرک کا امتحان دے۔ میں آٹھویں اور نویں کے لیے بھی اسے راضی کرتا رہا تھا۔

"تم اسکول داخل ہو جاؤ، ریگولر پڑھو۔"

"کیوں میری جان کے دشمن ہو رہے ہو۔"

"تمہارا فائدہ ہے اس میں۔"

"تم اگر نہیں پڑھانا چاہتے تو سیدھی طرح بتا دو۔ گول مول کیوں کرتے ہو۔" اور میں کہہ کر پچھتایا۔

میں اپنے امتحانات کے تمام گوئیچن پیپرز سنبھال لیتا تھا پھر سالانہ امتحانات کے دنوں میں، میں انہی کی مدد سے اس سے پیپر لیتا۔ دسویں کے امتحان نزدیک آئے تو میں نے اپنا پرانا مشورہ پھر سے دُہرایا۔

"تم کیوں چاہتے ہو؟" وہ الٹا مجھ سے پوچھنے لگی۔

"سرٹیفکیٹ مل جائے گا۔"

"وہ کیا دے گا مجھے؟" اس نے جرح کی تھی۔

"ضرورت کے وقت کام آتا ہے۔"

"میری ضرورت اور چاہ یہ نہیں۔" اس نے لہجہ ڈرامائی بنا لیا تھا۔ میں بغلیں جھانکنے لگا۔

"کیوں، اس کے پاؤں اکھیڑتے ہو۔ یہ امتحان دینے کی فرمائش کرے گی اور اماں اس کی شادی کر دیں گی کہ یہ خراب ہو رہی ہے۔" شجاع واقعی مجھ سے دور اندیش تھا۔ اس کے بعد میں نے اس معاملے پر چپ سادھ لی۔

☆☆☆

یہ جاتی شام کا منظر تھا۔ میں نے محسوس کیا وہ چپ، چپ سی تھی۔ ڈھلتے سورج کا عکس اس کی گندمی رنگت کو روشن کر رہا تھا۔ وہ بڑی منہمک سی لکھنے میں مصروف تھی اور میں بے اختیار ہوا اسے دیکھنے میں۔ اس کی گھنی پلکوں کا سایہ اس کے صبیح عارضوں پر کانپ رہا تھا پھر اچانک ہی اس نے قلم بند کر دیا اور ہاتھ پر اپنا چہرہ ٹکا کر کہنی فائل پر رکھتی، خاصی شریر نظروں کے ساتھ مجھے دیکھنے لگی۔ میں خفت سے یہاں وہاں دیکھنے لگا۔

"اب بتاؤ؟" وہ بھویں اچکا کر پتا نہیں کیا پوچھنا چاہ رہی تھی۔ میں مصنوعی ناسمجھ انداز میں اسے دیکھنے لگا۔

"میں کیسی لگی؟" اور جو اس نے پوچھا اس نے مجھے عرق، عرق کر دیا۔

"اسلم پرویز۔" تھوک نگل کر میں نے ترنت کہا۔

"وہ تو میں ہوں، یہ بتاؤ اسلم پرویز کی شکل کیسی لگی؟"

"بکواس نہیں کرو، میں تمہیں نہیں دیکھ رہا تھا۔"

"تم بہت عجیب ہو شہباز شمشیر خان۔" اس نے حسرت و تاسف کے ساتھ کہنا جاری رکھا۔ "تم کہتے ہو تم بدنصیب ہو۔ اصل میں تم بزدل ہو۔" اس نے جیسے تھپڑ کھینچ مارا مجھے۔ میں کچھ کہہ بھی نہیں سکا۔

"تم نہیں بتانا چاہ رہے نہ سہی، میں تمہیں بتاتی ہوں تم مجھے کیسے لگتے ہو۔" اور میں یہ بھی نہیں چاہتا تھا لیکن اب اسے روکنا محال تھا۔

"میری زبان سے سنو تم مجھے کیسے لگتے ہو بزدل انسان......! جیسے تپتے صحرا میں بادل کا ٹکڑا...... جیسے بھیڑ میں گم ہوئے کسی ننھے بچے کو اچانک مل جانے والے اس کے کسی بہت اپنے کا ساتھ...... جیسے زندگی کی طرف لے جاتی کوئی واحد امید جیسے......" وہ بڑے جذب سے کہتی رہی اور میں خود فراموش ہوا سنتا رہا۔ آخر میں اس نے منہ بسور کر کہا تھا۔ "اب مجھے بے شرم نہ کہنا شجاع کی طرح...... میں جانتی ہوں تم مجھ سے کبھی اقرار نہیں کرو گے...... اس لیے۔ "میں" کہہ رہی ہوں۔" وہ لفظ میں پر زور دے کر بولی تھی۔

"ہاں میں تم سے پیار کرتی ہوں۔ چار سالوں سے کر رہی ہوں اور مرتے دم تک کروں گی۔" میری آنکھیں پھٹ گئیں۔ کان سائیں، سائیں کرنے لگے۔ کیا کہہ رہی تھی وہ؟ اور کتنی بہادری سے کہہ رہی تھی۔ تف ہے مجھ پر اگر اب بھی میں آگے سے کچھ نہ کہہ پاتا۔

"میں بھی......" اور میں نے کہہ بھی دیا۔

"میں بھی۔" بجائے خوش ہونے کے اس نے منہ بگاڑ کر میری نقل اتاری۔ "کتنی جلدی جان چھڑا لی تم نے، ساری مشکل عبارتیں تو میں نے پڑھیں۔"

"تم اسلم پرویز جو ہو۔" میں اب اسے بے خوفی سے دیکھ رہا تھا اور بڑے دل سے بھی۔

"جی نہیں۔" اور نظروں کی تبدیلی نے یہ اثر کیا کہ وہ جھینپ گئی۔ "میں عذرا ہا نو تم اسلم پرویز۔"

"نہیں۔" میں اسے نظروں میں رکھے، رکھے مسکرایا۔ "میں شہباز شمشیر اور تم ناجیہ۔"

"اچھا جی...... تم بولتے بھی ہو۔" اس نے کتابیں سمیٹنی شروع کیں حالانکہ ابھی ہم نے کچھ

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

پڑھا بھی نہیں تھا۔

''بات سنو۔'' میں نے بے ساختہ پکارا۔ وہ کھڑی ہوگئی۔

''میں نہیں، تم سنو۔'' وہ میرے سامنے آگئی۔ اپنا چہرہ بالکل میرے قریب لاتے ہوئے بولی۔ ''اتنی غور سے مجھے دیکھ رہے تھے تم، یہ چار انگلیاں نہیں نظر آئی تمہیں؟'' میرا منہ کھل گیا۔ واقعی اس کے گال پر سرخ نشان تھے۔

''انہیں پتا لگ گیا ہے کہ میں پڑھ رہی ہوں۔ اب وہ بو سونگھتی پھر رہی ہیں کہ میں کس کی مہربانی سے پڑھ رہی ہوں۔ اس لیے آئندہ میں کم، کم آؤں گی۔'' وہ بھاگ گئی تھی میری محبت کی پہلی خوشی پر پانی پھیرتی۔ اب میں اس کے اقرارِ محبت کو سوچتا یا اس کے گال پر چھپی چار انگلیوں کو۔

☆☆☆

اور میں ابھی دنیا کے اس انوکھے اظہارِ محبت پر جی بھر کر سرشار بھی نہیں ہو پایا تھا کہ ایک نیا معجزہ ہوگیا۔ زرنگار چچی مجھ پر مہربان ہونے لگیں۔ یہ وہ دن تھے جب میں اور شجاع بی کام کر رہے تھے۔ پہلے تو میں جی بھر کر حیران ہو، جب مجھے شجاع کے عالیشان کمرے میں منتقل کیا گیا۔

''مل کر پڑھائی کرو گے تو زیادہ اچھی ہوگی۔'' میری نظروں کے سوالات سے نظریں چراتی انہوں نے لولی لنگڑی وضاحت دی۔

''میری اماں بناوجہ کے اپنا بخار کسی کو نہیں دیتیں اور مجھے تمہیں سونپ دیا۔ میری چھٹی حس کوئی سگنل دے رہی ہے۔'' شجاع بہت منہ پھٹ تھا اور سگنل تو میری چھٹی حس بھی دے رہی تھی۔

''یہ طوفان آنے سے پہلے کے آثار ہیں۔'' بظاہر اس نے مذاق میں کہا تھا لیکن میں خوف زدہ ہوگیا پھر انہی دنوں زرجبیں اپنی کتابوں سمیت میرے حوالے کردی گئی۔

''اسے پڑھاؤ، بند دماغ کی...... سارا دن کپڑوں اور ٹی وی کے علاوہ کچھ نہیں سوچتی۔'' میں انکار کر بھی کیسے سکتا تھا اور زرجبیں میرے اور ناجیہ کے بیچ دیوار بن گئی۔ ناجیہ مجھ سے چھپ، چھپ کر پڑھتی اور زرجبیں بابانگِ دہل۔ وہ مجھے پکڑ کر صحن میں، برآمدے میں کہیں بھی کتابیں لے کر بیٹھ جاتی۔ آس پاس ناجیہ بھی ہوتی۔ مبہم مسکراہٹ سجائے، ملازموں کے ساتھ کبھی گندم دھلواتی، کبھی تندور میں روٹیاں لگواتی، کبھی مویشیوں کی جگہ سے گوبر اور بھوسا صاف کرواتی۔ تو کبھی میرے ہی سامنے بیٹھ کر چچی کے سر میں تیل ڈالتی۔ میں اس کی نظروں کی تپش خود پر محسوس کرتا اور کند دماغ زرجبیں کو پڑھاتے ہوئے بھی بشاش رہتا کہ مجھے ان نظروں کا حصار اچھا لگ رہا ہوتا........ جو جھنجلاہٹ اکیلے کمرے میں زرجبیں کو پڑھاتے ہوئے مجھ پر سوار ہوتی وہ ناجیہ کی موجودگی سے غائب ہوجاتی۔ بھلے اردگرد کتنا ہی جمگھٹا ہوتا۔

☆☆☆

اس رات میں اور شجاع تقریباً ایک بجے سوئے کہ وی سی آر پر فلمیں دیکھتے رہے تھے۔ جب مجھے عجیب سی آواز نے جگا دیا۔ کھڑکی کے شیشے پر ٹھک، ٹھک ہو رہی تھی۔ میں اٹھ بیٹھا یہاں وہاں گردن گھماتا۔

''اوئے عذرا بانو......اِدھر، اِدھر۔'' سرگوشیانہ آواز ناجیہ کی تھی مگر کہاں سے۔

''الو کے......کھڑکی پر دیکھ۔'' شجاع کی نیند تباہ ہو رہی تھی۔ اس نے بھنا کر میری مشکل آسان کی۔ میں نے کھڑکی کھولی۔ وہ بارش کی کن من میں بھیگ رہی تھی۔

''باہر آؤ، دیکھو بارش ہو رہی ہے۔'' میرا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

''تم نیند میں چل کے آئی ہو؟'' مجھے پورا یقین تھا۔

''تم میرے ساتھ بارش دیکھو ناں۔'' وہ پوری پاگل ہو رہی تھی اور مجھے بھی کردینے پر تلی تھی۔

''تم مجھے بخشو اور سونے جاؤ۔''

''بالکل نہیں...... میں سب کے سونے کا انتظار کر رہی تھی۔ ایسے ہی محنت ضائع کردوں۔''

''شجی...... باہر جاتا ہے یا میں خود تجھے پھینک آؤں؟'' شجاع نے ایسا کر بھی دینا تھا۔ میں منہ لٹکائے باہر آگیا۔

سردیوں کے دن تھے، بارش میں کیسے مزے...... میں بغلوں میں ہاتھ دیے اس کے پیچھے حویلی کی پچھلی طرف آگیا۔

''شہباز۔'' میں کچھ دیر تک نہیں بولا تو اسے مخاطب کرنا پڑا۔

''یہ قطرے ہیروں جیسے لگ رہے ہیں ناں۔'' شیڈ پر جلتے بلب کی روشنی میں بارش کے قطرے ایسے ہی چمک رہے تھے۔

''ہاں، پتا نہیں۔'' نیند اب بھی مجھ پر حاوی تھی۔ اس نے بڑی غصیلی نظروں سے مجھے دیکھا۔ ''ہاں ناں......لگ رہے ہیں۔'' میں نے فوراً تائید کی۔ وہ پھر بھی گھورتی رہی۔ جب تھک گئی تب پلٹ کر جانے لگی۔

''تم جا رہی ہو؟''

''تمہارا قصور نہیں، اب تمہیں زرجبیں کے آگے میں کیوں نظر آؤں گی۔'' وہ پہلی بار اصلی کی ناراض لگی۔

''ارے، ارے......'' میں حیران کم پریشان زیادہ ہوا۔ ''زرجبیں کہاں سے آگئی؟''

''پڑھائی کے بہانے سارا وقت تمہیں دیکھتی رہتی ہے۔'' وہ پتا نہیں کب کی اکٹھا کی گئی شکایتیں اگل رہی تھی۔

''یہ تو تم بھی کرتی تھیں۔'' میں بے ساختہ مسکرایا۔

''اس کے آگے میری کیا اہمیت......کہاں اس کی کرنجی آنکھوں کا جادو، کہاں میں......؟'' وہ حقیقت میں آزردہ ہوئی تھی۔

''تمہیں کیا پتا تم کیا ہو......میں تمہاری ان جھیل جیسی آنکھوں کا اسیر پہلے ہوا ہوں۔ کرنجی آنکھوں کی کیا مجال مجھ پر جادو کریں۔ تم نے زنجیر کردیا ہے مجھے۔'' شاید رات کی تنہائی کا اثر تھا۔ بارش کا فسوں یا اس محبت کی طاقت جو مجھے اس سے تھی۔ میں مزاج کے خلاف بولتا گیا۔ ''محبت چہروں سے کب ہوتی ہے...... ہوتی تو میں تمہیں روزِ اول سے دیکھتا مگر یقین کرو میں نے تو تمہیں دیکھا بھی اس دن جب تم ہیروئنی مجھ سے اظہارِ محبت کر رہی تھیں۔''

''اس پانی میں ڈوب مرو......لڑکی کے اظہارِ محبت پر خوش ہو رہے ہو۔'' شرم کا تاثر چھپانے کی خاطر اس نے مجھے بظاہر لتاڑنا چاہا۔

''وہ تو میں ساری زندگی ہوتا رہوں گا۔'' اس کے سرخ چہرے کو نظروں میں سموتا میں پورے دل سے بولا تھا۔ اس بار اس نے چہرہ موڑ لیا۔ میرے دل میں بڑی خطرناک جسارتیں کرنے کی خواہش ابھری تھی۔

''چلو بارش میں۔'' اور میں شاید عمل پیرا بھی ہوجاتا اگر وہ مجھے دھکا نہ دے دیتی۔

''ارے......'' ٹھنڈی یخ بوچھاڑ نے رومینس کا سارا نشہ ہرن کردیا تھا مگر وہ خود بھی بھیگ رہی تھی۔

''تمہارا دماغ خراب ہے، بیمار پڑ جائیں گے۔'' مجھ پر کپکپی طاری ہوگئی۔

''توبہ ہے شہباز شمشیر خان، ایک تو تم نازک بہت ہو۔ کاش میں محبوب ہوتی اور تم میری محبوبہ۔'' وہ مزے سے بارش میں بھیگتی رہی۔ چچی کی پھٹکار نے اسے اچھا خاصا سخت جان بنا دیا تھا مگر میں کیا کرتا میری تو جان نکل رہی تھی۔

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

''کوئی دیکھ لے گا۔'' میں نے طریقہ نمبر دو استعمال کیا۔ بارش ہلکی رم جھم میں بدل چکی تھی۔

''دیکھ لے...... پیار کیا تو ڈرنا کیا۔'' میں چکرا کر رہ گیا۔ بعد کے کئی منٹ ہمارے وہاں گزرے۔ قیمتی بھرپور اور یادگار مگر اگلی صبح میں تھا اور چھینکیں تھیں اور ایک سو دو بخار۔

''کوئی بات نہیں، بخار تو ہوتا رہتا ہے تم شوق سے زیبا، وحید مراد بنو۔'' شجاع کے طنز ختم نہیں ہو رہے تھے۔

☆☆☆

جیسے شکل صورت اور مرض موروثی ہوتے ہیں بالکل ایسے اکثر عادات و مزاج بھی نسل در نسل چلتے ہیں۔ بابر کے جینز میں بھی بدنظری ماں باپ کے طفیل آئی۔ اس کے ڈیڈی گھر داماد تھے۔ عاشقانہ مزاج اور زن پرست۔ ان کی نظروں کی شیطانیت عام بندہ بھی محسوس کر سکتا تھا۔

شاہجہاں کی مما اس شیطان نما انسان کی وجہ سے کس ناقابلِ برداشت عذاب میں مبتلا رہیں یہ صرف وہی جانتی تھیں۔ شوہر کی لاتعلقی، ساس، نندوں کی دشمنوں والی بے رخی اور اس پر اس شیطان کی یہاں موجودگی...... ان کی زندگی کو گھٹن زدہ بنانے میں بابر کے ڈیڈی پیش، پیش رہے تھے۔ غلیظ نظروں سے سرتا پا سراہ، سراہ کر دیکھنا۔ بہانے سے کبھی کہاں کبھی کہاں چھو لینا گویا مما کو زندہ در گور کر دیتا۔ اب بابر جانشینی کے فرائض فرمانبردار بیٹے کے طور پر نبھا رہا تھا۔ پوت کے پاؤں پالنے میں نظر آنے کے مصداق اسکول کے زمانے سے ہی بابر نے جوہر دکھانے شروع کر دیے۔ لڑکیوں کو حریصانہ و شہوت آمیز نظروں سے دیکھنا اور اوچھی باتیں کرنا بابر کا من پسند مشغلہ تھا۔ بڑھتی عمر نے اس مشغلے کو مزید ہوا دی اور اب اس کی بدنیتی کا شکار وہ بے خبر ہوتے جا رہی تھی۔

☆☆☆

کالج کے باہر وہ اس کا منتظر تھا۔ آج نویرا نہیں آئی تھی عموماً جب نویرا چھٹی کرتی تو وہ بھی کالج نہ آتی۔ آج اسائنمنٹ کے لیے نوٹس درکار تھے۔ اسے ضروری آنا پڑا۔ یوں تو خیرو مقرر تھا اسے اور نویرا کو کالج لانے، لے جانے کے لیے مگر بابر پھر بھی یہ ڈیوٹی نبھانے حاضر ہو جایا کرتا آج ہی کی طرح مگر آج نویرا کے بغیر بابر کی ہمراہی میں سفر کرنا پریشان کر رہا تھا۔

''بابر بھائی کہاں؟'' بابر کی پجارو گاؤں کے بجائے دوسرے راستے کی طرف مڑی تھی وہ حیران ہوئی۔

''تمہیں کھانا کھلاتا ہوں۔''

''نہیں پلیز۔'' وہ گھبراہٹ کا شکار ہوئی۔ ''میں بہت تھکی ہوئی ہوں، میں گھر جاؤں گی۔'' بابر نے عجیب ٹٹولتی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''شاہجہاں کہتا تو تم مان لیتیں؟'' خوشی زبان دانتوں تلے دبا کر رہ گئی۔ وہ کس لہجے میں بات کر رہا تھا۔ ''اس لیے کہ وہ تمہارا شوہرِ نامدار اور میں بے چارہ......'' وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر اسے دیکھنے لگا۔

''ایسا کچھ نہیں ہے، میری آج طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ کالج بھی مجبوری کی وجہ سے آئی، آپ مائنڈ مت کریں۔'' وہ عادتاً پریشان ہو گئی تھی۔ بابر نے کوئی اثر نہیں لیا۔ گاڑی گاؤں کے راستے پر رواں تھی۔ بابر کے چہرے کی سنجیدگی خوشی کو دہلا رہی تھی۔ تیز ڈرائیونگ کی وجہ سے وہ شہر کی حدود پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ اب سڑک کے دونوں اطراف چٹیل صحرائی میدان تھے۔ یہ راستہ سنسان اور خطرناک مشہور تھا۔ ڈاکوؤں اور راہزنوں کی کئی کہانیاں خوشی نے خیرو کی زبانی سن رکھی تھیں سو ابھی جب بابر نے عین اس روڈ سے اتار کر پجارو ایک پارک میں روکی تو وہ ہراساں ہو گئی۔

''تم شاہجہاں کو اس لیے چھوٹ دو گی کیونکہ وہ

تمہارا شوہر ہے، ہے ناں؟'' اس کے کچھ کہنے سے پہلے وہ اسے دیکھ کر بولا تو خوشی ہکا بکا رہ گئی۔

''بتاؤ ناں؟'' ایسی ضدی تکرار...... خوشی کو لگا وہ رو دے گی۔

''بابر بھائی۔''

''تم مانتی ہو اسے شوہر؟ بتاؤ تم اسے شوہر مانتی ہو؟''

''جی۔'' محض بابر کی نظروں سے خوف کھا کر اس نے تھوک نگل کر کہا۔ بابر نے بے اختیار اپنے ہاتھ اسٹیئرنگ پر دے مارے۔

''کیا تم جانتی ہو میاں بیوی کا رشتہ کیسا ہوتا ہے...... کم از کم ایسا نہیں ہوتا جیسا تم دونوں کا ہے۔ وہ تمہارا شوہر ہے لیکن تمہارا شوہر نہیں ہے۔'' یا تو وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی یا وہ صحیح سمجھا نہیں پا رہا تھا۔

''ابھی میں تمہیں کسی مفتی کے پاس لے جاؤں، ابھی وہ تمہیں کہہ دے گا کہ تمہیں تو طلاق لینے کی بھی ضرورت نہیں۔ تمہارا نکاح تو آٹومیٹیکلی ختم۔'' اپنے ناپاک ارادوں کے ڈانڈے وہ کہاں سے کہاں جا کر ملا رہا تھا۔ خوشی کانپ کر رہ گئی۔ ''تمہیں اتنی بھی سمجھ نہیں کہ اتنے مہینوں تک شوہر اپنی بیوی کو بیوی نہ سمجھے، اس سے بات تک کرنا گوارا نہ کرے تو نکاح فاسخ ہو جاتا ہے۔ خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔'' وہ تیز لہجے میں بول رہا تھا۔ خوشی کو تو لفظ فاسخ کے مطلب بھی نہیں معلوم تھے۔ اس کا سر گھومنے لگا۔ وہ کیوں یہ سب کہہ رہا تھا۔ کیا بتانا چاہ رہا تھا اور کیا چاہتا تھا...... وہ کچھ بھی نہیں جانتی تھی اور جانتا تو شاید بابر بھی نہیں تھا یا وہ پی کر بیٹھا تھا۔

''تمہیں تو کوئی دوسرا نکاح کرنے سے بھی نہیں روک سکتا...... بلیومی۔'' اب کے وہ وحشت زدہ ہو گئی۔

''پلیز بابر بھائی۔'' وہ رونے لگی تھی۔

''میں جانتا ہوں، تمہیں یقین نہیں آ رہا۔'' بابر نے دانت پیس ڈالے۔ ''مگر وقت آنے پر آ ہی جائے

اللہ کا مقربِ خاص کیسے بنتے ہیں؟

ایک مرتبہ ایک شخص حضرت محمد مصطفی ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور اپنا تزکیۂ نفس کرنے کی غرض سے آپ رسالت مآبؐ سے چند سوالات کیے جس کے آپؐ نے سیر حاصل جوابات عطا کیے۔

☆ وہ شخص بولا ''میں اللہ کے غضب سے بچنا چاہتا ہوں؟'' ✖ آپؐ نے فرمایا۔ ''کسی پر بے جا غصہ نہ کر، اللہ کے غضب سے محفوظ رہے گا۔'' ☆ ''میں اللہ کے دربار میں مستجابُ الدعوات بننا چاہتا ہوں؟'' ✖ آپؐ نے فرمایا۔ ''تو حرام چیزوں اور حرام باتوں سے اپنے آپ کو بچا، مستجاب الدعوات بن جائے گا۔ ☆ ''میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو قیامت کے دن سب کے سامنے رسوا نہ کرے؟'' ✖ آپؐ نے فرمایا۔ ''اپنی پاکدامنی کا خیال رکھ اللہ تعالیٰ تجھ کو رسوا نہیں کرے گا۔'' ☆ ''میں چاہتا ہوں کہ اللہ میرے عیب چھپائے؟'' ✖ آپؐ نے فرمایا۔ ''تو اپنے بھائیوں کے عیب چھپا، اللہ تیرے عیوب کی پردہ پوشی کرے گا۔'' ☆ ''میری غلطیاں کیسے معاف ہوں گی؟'' ✖ آپؐ نے فرمایا۔ ''خوفِ خدا سے تضرّع و گریۂ عاجزی و انکساری کرنے سے اور بیماریوں کی تکالیف پر صبر کرنے سے۔''

پروردگار سے دعا ہے ہم سب کو اپنا، اپنا تزکیۂ نفس کرنے کی توفیق اور مہلت عطا ہو۔

مرسلہ: بختاور بلوچ، لوہی بلوچستان

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 | f PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

گا اور وہ وقت آنے سے پہلے اتنا سن لو...... میں تمہارے ساتھ ہوں اور ہمیشہ رہوں گا۔ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' خوشی نے بے ساختہ کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔ بابر واقعی پاگل ہو چکا تھا۔

''ایک ایسا شخص جو تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا، تمہیں وہ منظور ہے یا میں جسے تمہارے علاوہ کسی اور کی رتی برابر پروا نہیں۔'' کہتے ہی بابر نے اس کے ہاتھ میں دبے موبائل کو جھپٹا۔ وہ مزید سراسیمہ ہوئی۔ ''یہ لو۔'' بابر نے جلدی، جلدی کچھ فیڈ کر کے موبائل واپس اسے تھما دیا۔ ''میں نے اپنا نمبر اس میں فیڈ کر دیا ہے۔ بالکل غیر جانب دار ہو کر صرف اپنے لیے سوچنا۔ اپنا فائدہ سوچنا۔ بابر یا شاہجہاں؟'' بابر نے گاڑی اسٹارٹ کی تھی۔ اس کی ہچکیاں گونجتی رہیں۔

☆☆☆

وہ اس وقت تھانے میں تھا جب میسج ٹون بجی۔

''مجھے آپ سے بات کرنی ہے، آپ گھر کب آ رہے ہیں؟'' جو نمبر اسکرین پر تھا وہ اسے رٹ چکا تھا۔ شروع، شروع میں جب وہ میسج بھیجنے لگی تھی۔ شاہجہاں نے تب ہی اس کا نمبر مٹا دیا تھا۔ اس کے ہر پیغام میں ملتان بلا لینے پر اصرار ہوتا۔

''بات سنیں...... مجھے ملتان آنا ہے آپ کے پاس۔ صرف اپنی اسٹڈیز کی وجہ سے... پلیز ہیلپ۔'' یقیناً بابا کی کارستانی تھی کہ خوشی کا نمبر اس کے سیل میں بھی فیڈ تھا اور اس نے میسج ملنے کے فوراً بعد ڈیلیٹ بھی کر دیا نمبر لیکن پیغامات کا سلسلہ نہ روک سکا۔

''عجیب ہے کوئی۔'' وہ لفٹ نہیں کرواتا اور وہ میسج بھیجتے تھکتی نہیں تھی۔ روزانہ اس کے کئی، کئی پیغامات موصول ہوتے۔ درحقیقت صرف اسی کے ہی موصول ہوتے۔ ابتدا میں ہر پیغام التجائیہ ہوتا۔

''پلیز مجھے ملتان بلوا لیں...... بابا کہتے ہیں میں آپ کی بیوی ہوں اور میاں بیوی کو ساتھ ساتھ رہنا چاہیے۔''

''یا وحشت۔'' شاہجہاں کے آگے دنیا گھوم جاتی۔ بابا اس سے کیسی باتیں کرتے تھے؟ بعد ازاں ضدی پیغامات۔

''مجھے ملتان ہر صورت آنا ہے۔ اپنی اسٹڈیز کے لیے آنا ہے۔ آپ نہیں بلائیں گے میں تب بھی آؤں گی۔'' شاہجہاں کے سامنے ہوتی تو وہ پتا نہیں کیا کر ڈالتا اور وہ اتنی دلیر بھی اس لیے ہو رہی تھی کہ وہ گھر گیا نہیں تھا اور نہ ہی جانے کا ارادہ رکھتا تھا یعنی خود ساختہ ناراضی اور بعد میں تو الگ ہی نوعیت کے پیغامات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

''میں نے آج بابا کو پاستا بنا دیا۔'' پہلے پہل وہ پڑھتے ہی ڈیلیٹ کر دیتا۔

''آپ میرے ہاتھ کی چائے پئیں گے تو ساری عمر یاد کریں گے۔ میرے جیسی چائے کوئی نہیں بناتا۔'' آہستہ، آہستہ وہ عادی ہوتا گیا۔

''آج میں نے ریڈ کلر کا سوٹ پہنا ہے۔ میرا فیورٹ کلر ہے۔'' اسے حیرت انگیز طور پر یہ پیغامات از بر رہنے لگے۔

''بابا کہہ رہے تھے وہ ہم دونوں کے لیے سوئٹزرلینڈ کے ٹکٹ کروائیں گے۔'' اور کیوں کروائیں گے یہ بھی لکھ دیتی مگر شاید عقل جاگ گئی تھی۔

''آج میں بہت اداس ہوں۔''

''بات سنیں...... میں رو رہی ہوں۔''

''بابا زمینوں پر...... آئی ایم بورنگ۔''

''آج میں سوچ رہی تھی دادی جوانی میں بہت حسین ہوں گی۔'' لاتعداد پیغامات روزانہ۔ اب تو یہ حال تھا ٹون بجتے ہی اندازہ ہو جاتا کہ کس کا میسج ہے مگر جو میسج اب موصول ہو رہے تھے ان میں التجا اور اصرار کی شدت نئی تھی۔

''پلیز آپ جلدی آئیں، آپ کل آ جائیے۔ مجھے آپ سے ارجنٹ بات کرنی ہے۔'' اور شاہجہاں نے سیل ہی آف کر دیا کہ وہ بہت مصروف تھا۔

☆☆☆

شام کی چائے کی ذمے داری اسے سونپ دی گئی۔ نوریا سے اس کا یوں مہارانیوں کی طرح کام نہ کرنا برداشت نہیں ہوا تھا۔ جس وقت وہ لاؤنج میں چائے لے آئی۔ بابر بھی اسی لمحے کف لنکس بند کرتا وہاں آ بیٹھا۔ اس کے ہاتھ میں ٹرے کانپ گئی۔

''میرا کپ بھی۔'' اسے بولتی، تادیبی نظروں میں تولتا حکم جاری کیا تو وہ چپ چاپ کچن میں آ گئی۔

اس دن کے بعد سے اس کی کوشش رہتی تھی کہ بابر سے سامنا نہ ہو مگر بابر کے پاس اس کا نمبر تھا گھر میں ہوتے ہوئے بھی وہ دن میں کئی، کئی کالز ملاتا۔ وہ نہ اٹینڈ کرتی تو ٹیکسٹ۔ اس کی حالت ڈیڈی کی فوتگی سے زیادہ بدحال ہو گئی۔

''اور بتانی پڑ گئی تھی کیا؟'' چائے کا کپ پکڑتے ہوئے اس نے پوچھا تھا۔ بابر کی نظریں اس پر اور ہاتھ چائے کے کپ کی طرف۔ کپ پہلے ہی اس کے ہاتھ میں لرز رہا تھا۔ بابر کا ہاتھ کیا مس ہوا کپ قالین پر اور چائے بابر کے کپڑوں اور خوشی کے پیروں پر گر گئی۔ اس نے منہ پر ہاتھ رکھ کر ابلتی چیخوں کا گلا گھونٹا۔ اتنی جلن اور تکلیف تھی کہ آنکھیں پانیوں سے بھر گئیں۔

''دو کام کیا کرنے پڑے جان نکل گئی۔'' پھپھو کا پارہ آسمان کو چھونے لگا۔

''لڑکی ابھی فوراً بابر کے کپڑے دھو۔ میں کہتی ہوں ابھی نہیں دھوئے تو داغ رہ جائیں گے۔'' ملازمہ کی موجودگی کے باوجود دادی کا حکم نامہ اس کے لیے تھا۔ وہ پاؤں کی جلن اور درد سے بے حال اور سب کو پروا تھی تو بابر کے کپڑوں کی۔ وہ ڈبڈبائی آنکھوں سے بابر کو دیکھتی بہ مشکل بولی۔

''کپڑے؟''

''ہاں اچھا۔'' خواہ مخواہ کپڑوں کے داغوں پر عرق ریزی کرتا بابر چونکا جیسے مخاطب کوئی اور ہو۔ ''میرے کمرے سے لے جاؤ۔'' خوشی ٹھنڈی پڑ گئی۔

''یا اللہ پاک میری مدد کر۔'' بابا شہر سے باہر گئے ہوئے تھے۔ وہ پوری طرح ان کے رحم و کرم پر تھی۔

''اب جاؤ بھی بت بنی کھڑی ہو گئی ہو۔'' پھپھو کی چنگھاڑ پر وہ بڑے بھاری دل کے ساتھ بابر کے کمرے کی طرف جانے لگی۔

☆☆☆

بابر کے کپڑے گول مول ہوئے بیڈ پر پڑے تھے اور وہ خود دراز میں سے کچھ ڈھونڈ رہا تھا۔ خوشی دبے قدموں کے ساتھ آئی کپڑے اٹھا کر پلٹنے ہی لگی تھی کہ بابر نے کلائی پکڑ لی۔

''بیٹھو۔'' بابر کا اشارہ بیڈ کی طرف تھا۔

''بابر بھائی۔'' اس کی سسکی نکل گئی۔

''سنا نہیں...... بیٹھو۔'' وہ بیٹھ گئی۔ بابر کے ہاتھ میں کوئی مرہم تھا۔ اس نے اس کا پاؤں اپنے زانو پر رکھ لیا تھا۔ خوشی ہونٹ بھینچے بے بسی سے اسے مرہم لگاتا دیکھتی رہی۔

''پھر تم نے کیا سوچا؟'' مرہم لگاتے، لگاتے گمبھیر آواز میں پوچھا۔ خوشی کی حسیات جواب دینے لگیں۔

''میں تمہیں ایک اور بات بتاؤں...... یہ دونوں باپ، بیٹا تمہیں سوچی سمجھی اسکیم کے تحت رکھنے پر مجبور ہیں۔ تم اس گھر کا، اس خاندان کا حصہ ہو۔ جائداد کی حق دار اور تم نہیں جانتیں ماموں اتنی بڑی جائداد پر سانپ کی طرح بیٹھے ہیں۔ خود مر گئے تو بیٹے کو دے جائیں گے اور پھر تم آ گئیں۔ آدھی سے زیاد تمہاری جائداد ہے۔ خود سوچو اس گھر سے کہیں باہر نکلو گی تو جائداد ساتھ لے کر اور یہ میرے سوئٹ ماموں کو کہاں گوارا ہے۔ بیٹا جتنی تم سے نفرت کرتا ہے۔ باپ اتنا ہی مہربان ہے اور یہ کوئی بھی جان سکتا ہے وہ کیوں مہربان ہے۔'' مرہم لگ

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

چکا تھا اور بابر کی تقریر بھی ختم ہو چکی تھی۔

''مجھے جانے دیں۔'' بابر نے ہونٹ بھینچ لیے۔ وہ کسی طور بھی ہاتھ نہیں آ رہی تھی۔ بابر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ لیے۔ خوشی کے سارے وجود میں کانٹے کھُس گئے۔

''خوشی سمجھو...... یہ لوگ ایسے تمہیں نہیں چھوڑیں گے۔ تم میری بات ماننے پر کیوں معترض ہو۔ تمہیں تو سوچنا بھی نہیں چاہیے سیدھے سیدھے......''

''مجھے جانے دیں۔'' بابر کی بات کاٹ کر اس نے سرگوشی میں منت کی۔

''میں تم سے محبت کرتا ہوں، شدید محبت...... میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ یقین کرو میں تمہیں......'' خوشی کے کندھوں پر اس کے ہاتھوں کا دباؤ بڑھنے لگا تھا۔ خوشی دُہری تکلیف میں مبتلا ہوئی۔

''مجھ سے وعدہ کرو، تم سوچو گی ناں، سوچو گی ناں؟'' وہ شاید دماغی توازن کھو بیٹھا اور خوشی کے لیے فی الحال ضروری تھا بابر کے سائے سے بھی دور جانا۔ اس نے جلدی سے اثبات میں سر لایا۔ بابر نے کندھوں پر سے ہاتھ ہٹا لیے۔ وہ بھاگتے ہوئے اس کی پہنچ سے دور گئی۔

☆☆☆

گہرے سبز رنگ کی ڈائری خوشی کے ہاتھ میں تھی۔ حویلی میں جب بابا موجود نہ ہوتے تو وہ اسی ڈائری کو ساتھی بنا لیا کرتی۔ جسے وہ اتنی بار پڑھ چکی تھی کہ اس کا لفظ، لفظ حفظ ہو چکا تھا۔ جس میں جھروکے تھے ماضی کے، داستان تھی کسی کی محبت کی، کسی کے ایثار کی اور کسی کی آہوں کی۔

☆☆☆

''تم جا کیوں رہے ہو؟'' میں نے اسے روتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا تھا مگر وہ آج رو رہی تھی۔

''پڑھنے یار۔'' میں نے نظریں چرالیں۔ ہمیشہ مجھے بزدلی کے طعنے دینے والی آج خود ہمت ہار رہی تھی۔

''یہاں کیا کر رہے تھے؟''

''یہاں بھی پڑھ رہا تھا مگر زندگی میں ہر موقع کو جگہ دینی چاہیے۔''

''مت جاؤ۔'' وہ پلکیں جھپک، جھپک کر آنسو روکنے میں لگی تھی۔ لہجے میں درد اور آس ایسی کہ میرا دل بے ایمان ہونے لگا۔

''صرف دو سال کی تو بات ہے، گزرتے پتا بھی نہیں لگیں گے۔''

''تمہارے گزر جائیں، میرے لیے ایک، ایک پل بھاری ہو جائے گا۔'' اس کے آنسو، اس کی سسکیاں، نامعلوم وہ کیوں اتنی کمزور پڑ رہی تھی۔ کیوں ضدی ہو رہی تھی۔

''شجاع بہت چالاک ہے، ہمیشہ اپنا فائدہ سوچتا ہے۔ تمہیں لے جا رہا ہے تاکہ تم اس کے کام کرو اور وہ پڑھے۔'' وہ وہی جملے غصے میں دُہرا رہی تھی جو شجاع نے چچی کو منانے کے لیے کہے تھے۔ وہ میرے لیے لندن جانے کے حق میں نہیں تھیں۔

''اچھا اب بس کرو، جانے والوں کو رو کر رخصت نہیں کیا کرتے۔ بدشگونی ہوتی ہے سفر برا گزرتا ہے۔'' اس نے آنسو پونچھ ڈالے۔ وہ میرے سفر پر اثر انداز نہیں ہونا چاہتی تھی۔

''پیار سے، محبت سے، دعائیں دے کر پیاری، پیاری مسکراہٹ دکھا کر رخصت کرو۔ میرا سفر بھی اچھا گزرے اور پردیس میں زندگی بھی۔'' اس نے خود کو سنبھالنے میں کچھ وقت لیا پھر بھویں چڑھا کر بولی۔

''اب تم تو کہو گے نہیں، مجھے ہی کہنا پڑے گا۔ مجھے بھولنا نہیں، گوری کالی کسی میم کی طرف دیکھنا بھی نہیں اور جیسے ہو ایسے ہی رہنا۔ خود کو بدلنا مت، مجھے خط ضرور لکھنا اور میری فکر مت کرنا۔ بس...... تم اپنا

خیال رکھنا۔'' دھیمے سُروں میں ہدایات جاری کرتی آخری جملے پر وہ پھر سے آزردہ ہو گئی۔ میں نے اسے سنا کم دیکھا زیادہ کہ اس چہرے کو آنکھوں میں محفوظ کر کے جانا تھا۔ دل میں اتار کر ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔

☆☆☆

اور اس نے جیسا کہا تھا ویسا کر دکھایا۔ اس کے لمبے لمبے، ورق ورق جڑے خطوط مجھے بڑی باقاعدگی سے ملنے لگے جنہیں دیکھ کر شجاع کانوں کو ہاتھ لگا لیتا۔

''عاشقوں کی زندگی بھی کتنی مشکل ہوتی ہے۔ اس بے چاری نے لکھ، لکھ کر اور تم اب پڑھ کر اپنی آنکھیں پھوڑو گے۔'' ناجیہ کے ہر خط میں دنیا جہان کی باتیں ہوتیں۔ حویلی کی مرغیوں، بھینسوں، بھیڑوں تک کی مگر کبھی کسی خط میں اس نے چچی یا زرجبیں کی کسی بدسلوکی کا تذکرہ نہیں کیا۔ وہ مجھے حویلی میں مذاق، مذاق میں ضرور بتا دیا کرتی لیکن یہاں لندن میں ملنے والے اس کے کسی خط میں ایسی کوئی بات نہیں ہوتی تھی۔ جس سے میں دکھی ہو جاتا اور میں جانتا تھا وہ جان بوجھ کر ایسا کرتی تھی۔ وہ مجھے پردیس میں اداس نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''ترس آتا ہے یار تجھ پر۔ ننھی سی عمر میں روگ لگا بیٹھے۔ لندن آ کر بھی محروم رہے۔''

''تم کیا جانو عشق کا لطف۔'' شجاع کے مذاق پر میں بھی جملہ داغتا۔

''مجھے بخشو۔'' وہ ہاتھ جوڑ لیتا۔ ''کھیلنے کی عمر ہے، اسے میں بے وقوفی کی نذر نہیں کر سکتا اور مجھے تیری طرح نیک پروین نہیں قبول۔ میں پڑھی لکھی اپ ٹو ڈیٹ لڑکی سے محبت کروں گا۔''

''محبت پوچھ کر ہوتی ہے اور نہ سوچ کر۔ یہ بس ہو جاتی ہے بالکل اچانک، عمر دیکھتی ہے نہ وقت اور نہ یہ دیکھتی ہے کہ لڑکی سنجیدہ مزاج ہے یا ناجیہ جیسی۔''

''بس، بس...... بس میرے بھائی، میں ہار گیا تو جیت گیا۔ تیرا کہا قبول۔'' وہ مصنوعی تنگ آنے کی ایکٹنگ کرتا۔

پھر یوں ہوا جب ہم دونوں کے جانے میں کچھ ہی عرصہ رہ گیا۔ ناجیہ کے خطوط نئے متن کے ساتھ ملنے لگے۔

''کب واپس آؤ گے؟'' خط بھی لمبے، لمبے وقفے سے موصول ہونے لگے۔

''تم آ بھی جاؤ۔'' میرا ماتھا ٹھنکا تھا۔ مسلسل پوچھا بھی مگر وہ جواب نہ دیتی۔ ہاں واپسی کا اصرار ہنوز قائم تھا۔ کبھی، کبھی اس کے خطوط کی تحریر بہت بے ربط محسوس ہونے لگتی۔ وہ جیسے لکھنا کچھ چاہ رہی ہوتی لکھ کچھ دیتی اور اکثر محسوس ہونے لگا جیسے وہ رو رو کر خط لکھتی ہو۔ خط کے الفاظ پر سیاہی پھیلی، پھیلی ہوئی تھی۔ میری بے چینی تب تک برقرار رہی جب تک ہماری واپسی کا دن نہیں آ گیا۔

☆☆☆

ہمیں اپنی پاکستان آمد کی رات ہی ایک تماشا منتظر ملا۔ ناجیہ پورا دن میرے سامنے نہیں آئی تھی حالانکہ مجھے یقین تھا۔ جان پر کھیل کر ہی سہی وہ مجھے خوش آمدید کہنے ضرور آئے گی لیکن وہ نہیں آئی۔ حویلی کے اس پورشن کی طرف جہاں اس کا کمرا تھا۔ میں نے بے شمار چکر لگائے مگر وہ پتا نہیں کہاں جا چھپی تھی۔

رات میں جب میں اور شجاع بڑے ہال کمرے میں داخل ہوئے، وہ نظر آ گئی۔ اس حالت میں کہ چچی نے اس کے بال دبوچے ہوئے تھے۔ میں اور شجاع وہیں ساکت ہو گئے۔

وہ بے حد دبلی ہو رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کے گرد حلقے اور گالوں پر تھپڑوں کے نشانات تھے۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی اس کی بے رونق آنکھوں میں چمک اور ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ ابھری تھی اور پھر وہ مجھ پر نظر جمائے انتہائی ٹھوس لہجے میں بولنے لگی۔

''میں قدیر سے شادی نہیں کروں گی۔'' چچی

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

نے اس کے بالوں کو اتنی زور سے جھٹکا دیا جیسے جڑ سے اکھاڑ دیں گی۔ میرے قدم ڈگمگائے تو شجاع نے میرا بازو پکڑ کر سہارا دیا۔ ناجیہ کے ساتھ چچی کیسا سلوک روا رکھتی تھیں سننے اور اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا فرق سمجھ میں آ گیا۔ دیکھنا بہت اذیت ناک تھا۔

”میں پوچھتی ہوں کس شہ پر قدیر کے لیے انکار کر رہی ہے۔ ایسی جرأت اور بے حیائی سے... جو نے گا تھوکے گا کہ یہ انعام دے رہی ہے نمک خواری کا۔ بدذات، بے حیا۔“ اور پھر تابڑ توڑ تھپڑ، گھونسے شجاع میرا بازو چھوڑ کر چچی کے سر پر جا پہنچا تھا۔

”کیا کر رہی ہیں، جان نکالنی ہے اس کی؟“ اس نے اپنی ماں کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”ہاں، میں کروں گی ایسا...... میں جان نکال دوں گی اس کی۔ خاندان میں کسی لڑکی نے ایسی بے حیائی نہیں دکھائی جیسی یہ دکھا رہی ہے۔“ ناجیہ کانپ رہی تھی لیکن اب اس کے چہرے پر سکون تھا۔ ”میں نے زبان دے دی قدیر کے ماں باپ کو۔“

”آپ اس کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کر سکتیں۔“ شجاع بپھرا ہوا تھا۔

”میں اس کی مرضی پر چلوں گی اب؟“ چچی تمسخرانہ بولی تھیں۔

”کم از کم اس کم ذات سے میں اس کی شادی نہیں ہونے دوں گا۔“ جو کچھ مجھے کرنا چاہیے تھا۔ جو مجھے بولنا چاہیے تھا، وہ شجاع کر رہا تھا۔

”کم ذات یا بلند ذات...... اس کی نظر میں کوئی نہیں جچنے والا۔ یہ پسند کر چکی اپنی مرضی کا...... اس کے تیور بتا نہیں رہے تمہیں۔“ نہ بیٹے کے آنے کی خوشی، نہ اس کے چاؤ اٹھانے کی فکر۔ چچی نے شجاع اور میرا انوکھا استقبال کیا تھا۔

☆☆☆

اب چونکہ ہماری تعلیم مکمل ہو چکی تھی۔ چچی نے ایک اور دھماکا کر دیا۔ شجاع ابھی شادی کے موڈ میں نہیں تھا اور نہ ہی اس کے لیے چچی کو جلدی تھی مگر میرے لیے پھندا تیار تھا زرجبیں نام کا۔ میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔

”پاگلوں کی اولاد...... کمی عورت کا بیٹا۔“ برسا برس مجھے ان طعنوں کی مار مارنے والی آج مجھ پر کیوں مہربان ہو گئی تھی۔ میں جانتا تھا، زرجبیں مجھے پسند کرتی تھی۔ بلال چچا بھی مطمئن تھے۔ میری دنیا اندھیر ہو رہی تھی۔

☆☆☆

اسی رات جبکہ پہرے کڑے تھے اور نگرانی سخت وہ نہ جانے کیسے میرے کمرے میں آ گئی۔ شجاع اس کے آتے ہی کمرے سے چلا گیا تھا۔

”جیا۔“ میں پریشان ہو گیا۔ وہ خطرہ مول لے کر مجھ سے ملنے آئی تھی۔ مجھے خود سے زیادہ اس کی فکر ہونے لگی۔ وہ بن کہے اپنی ویرانی کی داستان سنا رہی تھی۔ اداس، مغموم مگر بے حد باغی دِکھتی۔

”تمہیں نہیں آنا چاہیے تھا۔“ چچی کتوں کی طرح اس لڑکے کی بو سونگھ رہی تھیں جس نے ناجیہ کو شہ دی تھی اور آج وہ کچھ دیکھ لیتیں تو قیامت آ جاتی۔

”پھر مجھے کیا کرنا چاہیے تھا؟“ وہ ایک دم بپھری۔ ”انتظار یا پھر خاموشی...... تو کئی مہینوں سے وہی تو کر رہی ہوں۔ اب تو میرا ساتھ دو، میرا حوصلہ بنو اب تو بہادری دکھاؤ۔“ وہ رونے لگی۔

”جیا......“ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا میں کیسے اسے حالات کی سنگینی کا اندازہ کرواؤں۔ میں کیسے اسے ابھی کے لیے پُرسکون کروں۔

”جیا......“ اس کے آنسو مجھ سے وہی کروانے پر تُلے تھے جو وہ چاہتی تھی لیکن دماغ کی تاویلیں اور تھیں۔ ”جیا...... تم ابھی جاؤ۔“

”کیوں؟“ وہ بے بسی سے چیخی تھی۔

”کوئی آ جائے گا، اچھا نہیں ہوگا۔“

”تم ڈرتے ہو؟“ اس کی آواز میں بے یقینی تھی۔ ”نہیں...... مجھے تمہاری عزت کی فکر ہے۔“

”وہ تمہاری چچی کے ہاتھوں دو کوڑی کی ہو گئی۔ مجھے پروا نہیں ہے شہباز۔“ اس نے میرا بازو پکڑ لیا تھا۔ ”بھاگ چلتے ہیں، ہم نکاح کر لیتے ہیں۔“

”ناجیہ!“ میں فق چہرے کے ساتھ اسے دیکھے گیا۔

”دیکھو...... یہاں ہمارا کوئی ہمدرد نہیں۔ سب ہمیں غلام سمجھتے ہیں اور زرجبیں کے آگے میری دال نہیں گلنی...... میں تمہیں کھونے سے ڈرتی ہوں۔ میری زندگی میں معجزہ نہیں ہونا۔ مجھے خود کچھ نہ کچھ کرنا ہے۔ میں تمہیں کھونا نہیں چاہتی اس لیے کہ“..

”ایسا نہیں ہوگا۔“ میں نے اس کی بات کاٹی۔ ”میرا یقین کرو۔“ میں نے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر یقین سے کہا۔

”ایسا ہی ہوگا، مجھے یقین ہے۔“ وہ خود پر اختیار کھوئے تڑپ، تڑپ کر رو دی۔ میں اس کے آنسو پونچھنے والا تھا۔ میں اسے سینے سے لگا کر دلاسے دینے والا تھا مگر بھاگتے قدموں کی آواز پاس آ گئی تھی۔ زرنگار چچی اور بلال چچا میرے کمرے میں آ گئے تھے۔

کچھ احساسات دائمی ہوتے ہیں۔ دماغ میں سرایت کر جائیں تو پھر تاعمر نہیں جاتے۔ خوف و دہشت میری ذات میں حلول کر گئی تھی۔ وہ میرے سامنے ناجیہ کو گھسیٹتی ہوئی لے گئیں۔ میں بت بنا کھڑا رہا۔ شجاع مجھے زبردستی ان کے پیچھے لے گیا۔ خیال یہی تھا کہ ہم دونوں ناجیہ کو بچائیں گے مگر......

”کہتی تھی ناں میں، ایسے ہی یہ شیرنی نہیں بنتی کوئی ہے اس کے ساتھ اور میں معصوم......“ چچی نے سینے پر دوہتھڑ مارے تھے۔ ”میری تو نیکی کو بھی مار ہے۔ جس کے ساتھ اچھی بنوں وہی گردن پکڑ لیتا ہے۔ یہ نمک حرام، اسے پالا پوسا، کھلایا پلایا آج کے دن کے لیے۔“ چچی اس پر قہر بنی ہوئی تھیں۔

”اور تو......“ پھر وہ میری طرف پلٹیں۔

”آستین کا سانپ، جس میں کھایا اسی میں تھوکا۔“ بنا میری عمر اور قد کا لحاظ کیے سب کے بیچ انہوں نے میری دھنائی کر دی۔

”جیسا باپ ویسا بیٹا، خون کی تاثیر بھی کبھی بدلی ہے۔ ذلیل خون، کمی عورت کا بیٹا۔“

”اماں آگے نہیں بولیں گی آپ۔“ شجاع نے پوری طاقت کے ساتھ چیخ کر کہا۔ میں ایک آج کے دن سے ڈرتا تھا۔ میں ان لفظوں سے ڈرتا تھا۔ میں خود کا پیچھا کرتے ان طعنوں سے ڈرتا تھا مگر میرا ڈر کسی کام نہیں آیا۔

اس کی نظریں صرف مجھ پر مرکوز تھیں۔ وہ مجھ سے محبت کا یقین چاہ رہی تھی مگر میں سر جھکائے سینے پر بوجھ سا لیے کھڑا رہا۔ میری زبان کائی زدہ ہو گئی تھی، ایک دم گونگی۔

☆☆☆

اگلی صبح حویلی میں دو نکاح ہونے تھے۔ میرا زرجبیں کے ساتھ اور ناجیہ کا قدیر کے ساتھ...... مجھ پر گھٹن طاری تھی۔ میرے سامنے قدیر اور مولوی آئے۔ چند لمحوں کی دیر تھی پھر ناجیہ اور میرا تعلق بے معنی ہو جانا تھا۔ یہ میرے لیے کڑا امتحان تھا۔

تب میں نے تیسری راہ نکالی۔ ٹھیک ہے ناجیہ میری نہیں ہو سکتی تھی تو کیا ضروری تھا میں زرجبیں سے نکاح کرتا۔ نہیں...... میں حویلی سے، حویلی کے مکینوں سے، ناجیہ سے دور چلا گیا۔ میں بھاگ گیا۔ میں اس شہر، اس ملک سے بھاگ گیا جو پیچھے چھوڑا وہ میرا ماضی بن گیا۔ اذیت بھرا ماضی۔

☆☆☆

ڈائری کی بند جلد پر سر رکھے وہ بے آواز رو رہی تھی۔

”ڈیڈی آپ نے غلط سمجھا۔ دیکھیں آپ کا ماضی میرا حال بن ...گیا ہے۔ میں آپ کے ماضی میں لوٹ آئی ہوں۔“ اس کی خود کلامی میں کرب تھا۔ ”اور

www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 | PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

ناجیہ ٹھیک کہتی تھیں۔ آپ بدنصیب نہیں، آپ بزدل تھے اور بزدلوں کے نصیب میں محبت نہیں ہوتی۔ آپ کو بھی محبت کی راہ پر نہیں چلنا چاہیے تھا۔ آپ کی بزدلی، آپ کی محبت سے جیت گئی۔ یوں بھاگ کر آپ نے وفا کی کون سی داستان رقم کرنا چاہی؟ یہ کہ آپ ناجیہ کے نہیں تو زرجبیں کے بھی نہیں درحقیقت تو آپ نے آسان رستے چن لیے۔ اپنی زندگی بھی آسان کرلی۔ کاش آپ جان پاتے آپ نے دو زندگیوں کا خون کیا۔ بابا کو آپ کی بزدلی کا تاوان بھرنا پڑا۔ انہوں نے آپ کی ناجیہ کو سہارا دیا، اسے اپنا نام دے کر مرتبہ دیا۔ کاش آپ جان پاتے...... بابا کتنے بہادر ہیں، کتنے عظیم ہیں انہوں نے اپنے دل کی سب خواہشوں کو دفن کردیا صرف آپ کی ناجیہ کا مستقبل بن گئے۔'' وہ سسکیوں کے بیچ بولتی جارہی تھی۔ لگ رہا تھا جیسے ڈیڈی آس پاس ہوں۔

''اور آپ غلط بھی نہیں تھے، آپ واقعی بدنصیب تھے۔ آپ کی بدنصیبی میرے پیچھے، پیچھے تک آگئی ہے۔ بابر نام کی سیاہی میری منتظر ہے۔ دنیا میرے لیے ویسی ثابت ہونے جارہی ہے جیسی آپ کی ناجیہ کے لیے بن گئی تھی۔ میں تماشا بننے جارہی ہوں۔''

☆☆☆

شجاع کو انتہائی فیصلہ کرنا تھا۔ ناجیہ زندہ لاش کی صورت نکاح خواں کے سامنے تھی۔ شہباز کے بھاگ جانے کے بعد اس کے لیے زندگی و موت برابر ہوگئی تھی۔ اب قدیر تو کیا کوئی بھی مقدر بنتا اسے فرق نہیں پڑتا اور نہ ہی پڑا۔ شہباز کے بھاگ جانے میں بھی چچی قصوروار تھیں اور اب ناجیہ کی قدیر سے شادی بھی انہیں جیت کے میڈل پہنانی۔ شجاع نے ماں سے انتقام لینے کی ابتدا پہلے فیصلے سے کی۔ اس نے ناجیہ سے نکاح کرلیا۔ چچی کے سب واویلے، سب بین بے سود گئے۔ شجاع نے ناجیہ کو اپنا کر دم لیا۔ شہباز کی محبت اس کا نصیب بن گئی۔ وہ جو اپنے لیے بڑے، بڑے دعوے کرتا تھا۔ ناجیہ میں سو، سو کیڑے نکالتا تھا۔ اپنی زندگی کا ساتھی کسی تعلیم یافتہ، قدم سے قدم ملا کر چلنے والی کو بنانا چاہتا تھا اور سب سے بڑھ کر شادی ہی نہیں کرنا چاہتا تھا مگر زندگی میں سب کچھ ویسا کب ہوا ہے جیسا سوچا جائے۔ وہ دونوں ایک ساتھ چلنے والے دو کنارے تھے۔ ساتھ، ساتھ اور الگ، الگ۔ ان کی نئی زندگی کا عنوان شاہجہاں ضرور بنا مگر وہ ایک بھی نہ ہوسکے۔

☆☆☆

بابا زمینوں سے آگئے تھے، گویا بابر نام کی پریشانی کا خاتمہ ہوا تھا۔

''تمہیں بخار ہوا ہے؟'' وہ اسے دیکھ کر بے حد تشویش میں مبتلا ہوئے۔

''نہیں تو۔''

''کیا نہیں تو، اتنی کمزور ہورہی ہو۔ بالکل بیمار لگ رہی ہو۔ حلقے دیکھو اپنی آنکھوں کے۔''

''آپ اتنے ہفتے مت لگایا کریں ناں۔'' وہ ان کے آنے پر خوش تھی۔ بابا فی الحال کے لیے خاموش ہوگئے لیکن ان کی سوچ دور تک کا سفر کررہی تھی۔ کم از کم اب وہ شاہجہاں کو ڈھیل دینے کے حق میں نہیں تھے۔

☆☆☆

شام سے پہلے شام کا منظر تھا، بادلوں کی مہربانی سے۔ ہر طرف گھن گرج اور تاریکی سی ہونے لگی۔ اس نے کھڑکی سے پردے ہٹائے، باہر بجلی چمکی تھی۔ وہ پردے چھوڑتی بیڈ پر جابیٹھی۔ گرج چمک اور یہ بارش...... انتہائی ناپسندیدہ اور خوف ناک موسم تھا اس کے لیے۔ چمکتی بجلی اور غراتے بادل اس کے رونگٹے کھڑے کردیتے تھے اور یہی خوف اب بھی سوار تھا۔

''بابا آپ اسٹڈی میں ہیں؟'' بابا عشا پڑھ آئے تھے اور اس وقت عموماً اپنی اسٹڈی میں ہوتے

تھے۔ میسج بھیج کر تصدیق بھی اس لیے کرنی چاہی کہ وہ اس خراب موسم میں باہر جانے کا رسک لے ہی نہیں سکتی تھی۔ خصوصاً تب جب بابا کی اسٹڈی بھی پہنچ کے آخری سرے پر ہو۔ اس کے سیل کی میسج ٹون فوراً گنگنائی تھی۔ وہاں بابر کا میسج تھا۔ جو سوال اس نے بابا سے پوچھا وہی اس کو لوٹایا گیا مگر بابر کے نمبر سے۔

''تم اپنے کمرے میں ہو؟'' اس کا ہاتھ بے جان سا ہوگیا۔ سیل بھی چھوٹ گیا۔ وہ وحشت بھری آنکھوں سے دروازے کو تکنے لگی۔ جیسے ابھی بابر آ بھی جائے گا۔ کچھ لمحے یونہی سرک گئے۔ بابر جواب سے مایوس ہوا بار بار کال کیے جارہا تھا۔ اس کی کال بند ہوئی تو خوشی بابا کو کال ملانے لگی مگر ان کا نمبر بند تھا۔ خوشی کو یاد آیا بابا ہر نماز کے وقت سیل آف کرجایا کرتے تھے اور اکثر آن کرنا بھول بھی جاتے۔ وہ عجیب مصیبت میں پھنس گئی، بابر کے پیغامات ایک کے بعد ایک آرہے تھے۔ اس نے ایک دم شاہجہاں کو ٹیکسٹ کیا تھا۔

''پلیز جلدی آئیں، مجھے آپ کی ضرورت ہے۔'' اور پھر اسے لگاتار کالیں کرنے لگی۔ ایک کال ناٹ رسپانڈنگ جاتی وہ دوسری ملالیتی۔ ری ڈائل کرتے، کرتے ہاتھ تھک گئے مگر کال پک نہ ہوئی۔

''پک مائی کال۔'' کا میسج بھی چھوڑا مگر کال پھر بھی ریسیو نہیں ہوئی۔ وہ رودینے کو تھی، باہر بارش کا شور بتارہا تھا کہ جوبن پر ہے ایسے میں گھر کے سبھی نفوس اپنے، اپنے کمروں میں بند تھے۔ گاؤں میں ایسا موسم اپنے ساتھ کئی مصیبتیں ساتھ لے آتا۔ سب سے بڑی مصیبت بجلی کی ہوتی۔ فوراً لائٹ چلی جاتی۔ اب بھی یہی ہوا تھا اور جنریٹر خراب۔ خوشی کے تمام خوف ایک ساتھ سر بلند ہوئے، جن پر لعنت بھیجتی وہ گیس لیمپ جلانے کا تردد کیے بغیر دروازے کی طرف بھاگی تھی۔ سب کمرے بند ہوئے پڑے تھے۔ کاریڈور کا گیس لیمپ جلانے کے لیے شاید ہی کوئی اٹھتا۔

وہ اندازے سے قدم اٹھانے لگی جب کسی نے اس کے منہ پر اس زور سے ہاتھ رکھا کہ اس کے حلق سے نکلتی سب آوازیں گھٹ گئیں۔ وہ اسے یونہی جکڑے نہ جانے کس سمت گھسیٹنے لگا۔

☆☆☆

''تم میرا جواب نہیں دے رہی تھیں۔'' تھر تھر کانپتی خوشی کو جو پہلا احساس ہوا وہ یہ کہ بابر نے پی رکھی تھی۔

''میرا سیل سائلنٹ پر تھا۔'' وہ حتی المقدور نارمل نظر آنے کی کوشش میں تھی۔ ورنہ اعصاب ایسے ہورہے تھے کہ اسے یہ تک نہیں سمجھ میں نہیں آرہا تھا وہ ہے کہاں۔

''تم نے سوچا تھا میرے پروپوزل کے بارے میں؟'' اسے خود پر حقیقتاً ترس آیا۔

''بابر بھائی، آپ جانتے ہیں میں بیمار پڑ گئی تھی۔''

''بکواس نہیں کرو۔'' بابر کی دہاڑ پر وہ مزید کچھ کہتی فوراً چپ ہوئی تھی۔ ''تم مجھے بے وقوف سمجھتی ہو؟''

''آ...... آپ پلیز کچھ غلط مت سمجھیں۔ میں نے واقعی......''

''ہوکیا تم...... دو ٹکے کی...... میں تمیز سے پیش آرہا ہوں، تم سر چڑھتی جاتی ہو۔'' خوشی کے پاس رونے کے علاوہ کوئی ہتھیار نہیں تھا مگر بابر اس کے رونے سے کیونکر متاثر ہوسکتا تھا۔

''تمہیں پیار کی زبان سمجھ میں کیوں نہیں آتی۔ تم کو صرف شاہجہاں کے کرخت لہجے کی ہی سمجھ آتی ہے...... میں تم سے پیار کرتا ہوں، تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں، تم......''

''بابر بھائی آپ کیوں نہیں سمجھتے میں شادی شدہ ہوں۔'' رونے سے اس کی آواز بھی بھاری ہورہی تھی۔

www.paksociety.com
www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

”میں نے بکواس کی تھی ناں، تمہاری شادی کی کوئی حیثیت نہیں۔ یہ ٹوٹ چکی ہے۔“

”میں نہیں مانتی۔“ اب جب اتنا سب کچھ ہوگیا تھا۔ ایک لحاظ سے وہ اغوا ہو آئی تھی۔ اس سے زیادہ برا اب اور کیا ہونا تھا کہ وہ خوف کھاتی اور بے خوفی سے کہے اس جملے کا خمیازہ اسے... فی الفور بھگتنا پڑا۔ کسی جانور کی طرح اس نے اس کے گال پر تھپڑ مارا تھا۔ وہ پیچھے جا گری۔ وہ اس پر جھپٹ کر غرایا تھا۔

”بکواس کرتی ہو، مجھے آنکھیں دکھاتی ہو۔“ اس کی آنکھوں کی شیطانیت پورے ماحول پر حاوی ہونے لگی تھی۔ ”یہ جان لو، میں تمہیں مولوی کے پاس لے جا رہا ہوں۔ وہ تمہیں بتائے گا کہ تم کیسی زندگی گزار رہی ہو اور ہم نکاح کرلیں گے۔ سن رہی ہو ناں...... ابھی ہاں ابھی۔“ وہ خوشی کے بہت قریب تھا۔ اتنا قریب کہ اس کی منہ کی کراہیت بھری بُو خوشی کے اعصاب جھنجھنانے لگی۔ اس نے نہایت حقارت و کراہیت سے اس کے منہ پر تھوکا تھا۔ بابر پر جنون سوار ہوگیا۔ اس نے کسی درندے کی طرح خوشی کو پیٹنا شروع کردیا۔ رات کی سیاہی، اس کے مقدر کی سیاہی بننے جا رہی تھی۔

☆☆☆

حویلی کے گیٹ پر بارش نے اس کا استقبال کیا۔ گیٹ خود ہی کھولنے کے بعد اس نے اپنی پولیس موبائل اندر کھڑی کی۔ برستی بارش کے شور میں اس کی گاڑی کی آواز شاید ہی بند کمروں تک پہنچ پائی تھی۔ گاڑی لاک کرکے وہ بھاگ کر رہائشی حصے میں آیا۔ بابا اپنی اسٹڈی میں ایزی چیئر پر آنکھیں موندے ملے۔ اس نے دیکھا ان کا موبائل بک ریک پر آف پڑا تھا۔ اس نے ان کے ہاتھ پر آہستگی سے ہاتھ رکھا تھا۔ بابا کی نیند ٹوٹ گئی۔ شاہجہاں کو رات کے اس وقت اور یوں اچانک اپنے سامنے دیکھ کر وہ ایک پل کو تو حیران رہ گئے۔ وہ انہیں شاکی اور فہمائشی نظروں سے گھور رہا تھا۔

”آپ دوسروں کا مشکل میں ساتھ دے کر بعد میں ان سے بے پروا کیوں ہو جاتے ہیں؟“ وہ ایک، ایک لفظ پر زور دے کر کہہ رہا تھا۔ بابا کچھ بھی نہ سمجھے۔ ”پہلے میری ماں......“ اس کے لہجے میں تلخی تھی۔ ”اور اب خوشی۔“ بابا ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

”خوشی......؟“

”ہاں خوشی۔“ وہ الٹے قدموں اسٹڈی سے نکلا۔ اس بار بابا پیچھے تھے۔ خوشی کے کمرے میں جھانکا اس کا موبائل فرش پر گرا پڑا تھا۔ شاہجہاں نے بعجلت دیکھا۔ اس کی اپنی مسڈ کالز جو شاہجہاں آنے سے پہلے کرتا رہا تھا اور جو اگر خوشی دیکھ لیتی تو بے ہوش ہی ہو جاتی اور بابر کے بے شمار میسجز۔ اس کے دماغ میں بھونچال آگیا۔ وہ آندھی و طوفان بنا حویلی کے پرانے کمروں کی طرف بھاگا تھا۔

☆☆☆

اسے الہام نہیں ہوتے تھے۔ نہ وہ وجدان کی زد میں آتا تھا اور نہ ہی خوش بخت کی محبت اس کو مجبور کر گئی تھی کہ وہ یوں دوڑا چلا آیا۔ بس کچھ تو ہوا تھا کہ جس نے اس سے رات کے اس پل اتنی دور تک کا سفر کروایا۔

خوشی کی کالز یوں تو گزشتہ کئی دنوں سے آرہی تھیں۔ آج بھی وہ شہر سے باہر کسی کیس کے سلسلے میں گیا ہوا تھا جب خوشی کی کالز ایک کے بعد ایک آتی گئیں۔ اس نے سیل سائلنٹ پر کردیا تھا۔ واپسی پر جب سیل دیکھا تو لاتعداد میسجز اور مسڈ کالز موجود تھیں۔ اسے لگا خوشی کسی پریشانی میں گرفتار ہے۔ یہ میسجز اور کالز محض تنگ کرنے یا تفریح کے لیے نہیں تھے۔ شاہجہاں نے بالکل غیر ارادی طور پر اسے کال بیک کی تھی مگر بیل جاتے، جاتے خاموش ہو جاتی، تب وہ مزید الجھا...... کہیں کوئی گڑبڑ تھی۔ کہاں تو وہ اس شدت کے ساتھ اسے کال پر کال کرتے نہیں تھک رہی تھی، کہاں اب اس کی کال کا جواب ہی نہیں دے رہی تھی۔ وہ بہت تھکا ہوا تھا۔ دن رات ایک کیس پر کام کرنے کی وجہ سے اعصاب سن ہو رہے تھے مگر اس نے فوراً گاؤں جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ اتنے مہینوں کے بعد بالکل اچانک اور بنا کسی خواہش کے محض کسی کی خاطر اور بس۔

”مجھے بارش بالکل پسند نہیں۔ مجھے بجلی کے چمکنے سے بہت خوف آتا ہے۔“ گھر کے اندر اس کے دماغ میں خوشی کے میسج اچھل کود مچا رہے تھے۔

اسے یہ بھی خیال آیا کہ شاید بارش سے خوف زدہ ہو کر وہ اسے کال کرتی رہی ہو مگر یہاں سامنے گھناؤنی کہانی منتظر تھی۔

☆☆☆

دادی اور پھپو ہائے، ہائے کرتی اس کمرے میں داخل ہوئی تھیں جہاں زمانے بھر کا کاٹھ کباڑ پڑا تھا اور جہاں اس وقت بابر، شاہجہاں کے رحم و کرم پر تھا۔

”اگر مزید کچھ دیر اور ہو جاتی اور اگر وہ نہ آتا......“ اسی طرح کے کئی اور اگر ذہن میں کلبلاتے تو وہ بابر پر مکوں کی مزید بوچھاڑ کردیتا۔ بابر کی دست درازی نے بابا کے پیروں تلے سے زمین کھینچ لی تھی۔ وہ نیم جان ہوئی خوشی کو سنبھالے خود بھی رونے لگے تھے۔ اگر شاہجہاں نہ آتا تو وہ شہباز کو روزِ آخرت منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتے۔

”ارے نامراد، خود چال باز ہے، بے حیا ہے۔ تم سے مایوس ہوئی تو بابر کو پھنسالیا۔“

”بس، چپ......“ وہ اس قدر زور سے گرجا کہ پھپو (زرجبیں) کی سٹی گم ہوگئی۔ ”آگے ایک لفظ بھی نہیں۔“ اس نے زہر خند نظروں سے پھپو کو دیکھا تھا۔ یہ وہ خاندان تھا جو شروع سے اسے ڈستا آیا تھا۔ پہلے پھپو کے شوہر کی وجہ سے اس کی ماں اور اب بابر کی وجہ سے...... وہ خوشی کی طرف دیکھ بھی نہیں پا رہا تھا۔ نامعلوم وہ کتنے دنوں سے عذاب سہہ رہی تھی، اذیت میں تھی۔

”کاش میں سمجھ پاتا۔ سانپ، سانپ ہی پیدا کرتے ہیں۔“ شاہجہاں کی آنکھوں میں نفرت اور لفظوں میں زہر تھا پھر بابر کی گرفتاری کے لیے علاقے کی پولیس کو سب کے سامنے بلانے کا فون کیا۔

”ارے پولیس کو کیوں بلا رہے ہو؟ کیا، کیا ہے میرے بیٹے نے؟ کون سا قتل کردیا ہے، کون سا جائداد لوٹ لی ہے؟“ پھپو اور دادی کی ہائے وائے نے کمرا سر پر اٹھا لیا۔ پھپو بابا کو جھنجوڑنے لگیں۔ انہوں نے رخ موڑ لیا۔ آج جو ہوا تھا یہ بہت ہوا تھا۔ وہ اس سب کے لیے معاف کرنے کے روادار نہیں تھے۔

”کوئی بھی کیس بنالوں گا اس پر، چھوڑوں گا نہیں۔“ شاہجہاں نے بے لچک لہجے میں کہا اس کے لہجے میں کوئی گنجائش نہیں تھی۔ پھپو دھاڑیں مارنے لگیں۔ بابر کو جب پولیس لے گئی تب اس نے واپسی کا پروگرام بنایا۔

”میں اسے ساتھ لے جا رہا ہوں۔“ بنا خوشی یا بابا کی طرف دیکھے اس نے کہا تھا۔ بابا پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

”ابھی؟“ انہیں یقین کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

”جی ابھی۔“ وہ اب بھی نظریں چرا رہا تھا۔ صورتِ حال ٹھیک ٹھاک غمگین تھی مگر بابا کا دل بلیوں اچھلنے لگا۔

”اور جب یہ لوگ حویلی سے دفع ہو جائیں۔ ہم تب اس گھر میں آئیں گے ورنہ نہیں۔“ اس نے دادی اور پھپو کو مزید چابک مارے۔ بابا کہنا چاہتے تھے میری ماں کو بخش دو۔ بابر کی فیملی کو وہ ان کے ذاتی گھر پہنچا دیں گے مگر ابھی وہ پٹری پر آیا تھا اور وہ ابھی سے بگاڑ دیتے، سو......

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :۔

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
  سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل رینج
- ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور رزیوم ایبل لنک
- ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- مشہور مصنفین کی کُتب کی مکمل رینج
- ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Like us on Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

ہرگز نہیں تھی جس سے دور بھاگا جاتا۔

’’اور میں نے تو آپ سے کبھی کوئی کمپلینٹ نہیں کی۔‘‘

’’ضروری ہے تم شکایت کرو اور میں تب ہی سوری بولوں؟‘‘

’’ظاہر ہے۔‘‘ اور شاہجہاں کو اس پر پیار آنے لگا۔ وہ اس کے دل میں اترنے لگی تھی، دھڑلے سے۔

’’بارش رک گئی ہے ......چلیں؟‘‘ اپنے احساسات سے خود ہی گھبراہٹ کا شکار ہوا وہ پوچھ رہا تھا۔ خوشی نے تابعداری سے سر ہلا دیا مگر ابھی پانچ منٹ بھی نہیں ہوئے ہوں گے کہ وہ منہ بسور کر بولی۔

’’سوری۔‘‘

’’وہ کس لیے؟‘‘ شاہجہاں کو حیرانی ہوئی۔ سوری خوشی کی طرف سے بھی نہیں بنتا تھا۔

’’میں نے......‘‘ وہ منمنا کر جیسے اپنا قصور گنوانے لگی۔ ’’آپ کو بہت ٹیکسٹ کیے، آپ کو بہت تنگ کیا۔‘‘ مسکراہٹ چھپانے کے لیے اسے مخالف رخ دیکھنا پڑا۔

’’ہاں...... یہ سوری قبول۔‘‘ خلافِ عادت وہ شوخ ہوا تھا حالانکہ وہ ان پیغامات کا اتنا عادی ہوگیا تھا کہ ان کے انتظار میں رہتا۔

پانچ منٹ مزید سرکے وہ اب بابا نامہ سنا رہی تھی۔ بابا یہ...... بابا وہ...... اور ہمیشہ اکیلا سفر کرنے والا شاہجہاں اس بالکل الگ قسم کی کمپنی سے حیرت انگیز حد تک محظوظ ہوتا رہا۔ اسے لگ رہا تھا اس سادہ دل لڑکی کے ساتھ زندگی خوشگوار اور سہل ہو جاتی ہے۔ خود سے جُڑے دو قیمتی رشتے اسے اب ایمانداری کے ساتھ نبھانے تھے...... کیونکہ زندگی اب تقاضا کر رہی تھی اور اسے یہ تقاضا بوجھ نہیں خوشگوار لگ رہا تھا۔

(ختم شد)

’’ٹھیک ہے، جیسا تم کہو۔‘‘ کہنے پر اکتفا کیا۔ ان کے لیے یہی بہت تھا کہ وہ خوشی کو اپنے ساتھ لے جا رہا تھا۔

☆☆☆

’’سوری۔‘‘ وہ اس کا سر اپنے کندھے سے لگائے کہنے لگا۔ خوشی فوراً سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔ کم از کم ابھی کے لیے شاہجہاں فرشتہ ثابت ہوا تھا اور ابھی کے لیے سوری اس کے کھاتے میں نہیں جاتا تھا۔

’’کس لیے؟‘‘ شاہجہاں نے اس کے لال سرخ نشانات سے سجے چہرے کو بغور دیکھا۔

’’اس سب کے لیے۔‘‘ پھر اس نے چہرے کے زخم اور تھپڑوں کے نشانات پر نرمی سے انگلی پھیرتے ہوئے سرگوشی کی تھی۔

’’لیکن یہ آپ نے تو نہیں کیا۔‘‘ اب پتا نہیں وہ اس پر الزام کیوں نہیں آنے دے رہی تھی۔ شاید محبت کرنے لگی ہو یا شاید اس سے متاثر ہو یا پھر اس کی مما کے جیسی بچی ورتا ہو۔ بابا سے محبت نہ ہوتے ہوئے بھی وہ بابا کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ یہ الگ بات تھی کہ بابا ان سے کتراتے تھے۔

’’میری وجہ سے تو ہوا۔‘‘ خیالات بھٹکنے لگے تو اس نے واپس خوشی کی الجھی ہوئی آنکھوں کی طرف دھیان لگایا۔

’’آپ کی وجہ سے کیوں؟‘‘ وہ آنکھیں پٹپٹاتی مزید حیران ہوئی۔ گاڑی چلانے کو تیار شاہجہاں نے بے ساختہ گہری سانس لی۔ اس پر آشکار ہو رہا تھا وہ جتنے میسجز بھیجتی تھی، اس سے زیادہ بولتی تھی۔

’’کیونکہ میں تمہیں اگنور کرتا تھا۔ تمہیں ملنے بھی نہیں آتا تھا۔ تم سے دور بھاگتا تھا۔‘‘

’’تو یہ تو آپ نے کرنا تھا...... آپ کی شادی آپ کی مرضی کے خلاف جو ہوئی......‘‘ شاہجہاں کے دل میں پہلی بار جلترنگ سی بجی۔ وہ لڑکی ایسی

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY
www.paksociety.com
www.paksociety.com